اسے ضرور پڑھئے

ہم "اُجالے اندھیرے" کے پڑھنے والوں سے اس بات کی معذرت چاہتے ہیں کہ اُنہیں کچھ نظمیں جن کے عنوانات ذیل میں درج ہیں۔ غلط نامہ کی ترتیب کے مطابق پڑھنے کی زحمت اُٹھانی پڑے گی۔ اُمید کہ خاطر کبیدہ نہ ہوں گے۔

تفصیلِ غلط نامہ

فرق نگاہ! صفحہ ۱۷ کے بعد صفحہ ۱۶ ملاحظہ فرمائیں۔

جبر! صفحہ ۲۴ کے بعد صفحہ ۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔

جشنِ شادی! صفحہ ۲۶ اور ۲۷ کے بعد صفحہ ۲۹ اور ۳۰ ملاحظہ فرمائیں۔

چوم لو! صفحہ ۲۸ کے بعد صفحہ ۳۱ ملاحظہ فرمائیں۔

کہانی! صفحہ ۳۳ کے بعد صفحہ ۳۲ ملاحظہ فرمائیں۔

پبلیشر:- ایوانِ ادب

اجالے اندھیرے

ساحلی احسانی

اُجالے اندھیرے

از

ساحلؔ احسانی

پبلشرز

ایوانِ ادب بمبئی

قیمت ساڑھے تین روپے

R.S. 3-8-0

بار اوّل　　ایک ہزار　　اکتوبر ۱۹۴۷ء

قادری پریس نور منزل محمد علی روڈ بمبئی ۳ سے چھپوا کر ایوان ادب پبلشرز

۱۳ عبداللہ بلڈنگ ۲ پریل بمبئی ۱۲ سے شائع کیا

ظہیر احمد خوشنویس لکھنوی۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء بمبئی

فہرست

انتساب

اُن کے نام جنہوں نے پیہم غم دیئے!

ساحلی

"تازیانۂ تنقید"

خرابیوں پہ جو تعمیر کا مدار نہ ہو
تو عزمِ خام کبھی عزمِ استوار نہ ہو

سنوارتا ہے غمِ روزگار، زلفِ حیات
سکوں نصیب نہیں وہ، جو بیقرار نہ ہو

مری نظر میں وہ دل، دل کبھی نہیں ہوتا
حوادثات کے تیروں سے جو فگار نہ ہو

تو نیک ہو کہ نہ ہو، نیک نام ہو گا ضرور
ترا جو عیب زمانے پہ آشکار نہ ہو

اس آدمی کو بھلا آدمی کہیں کیونکر؟
جو خامکار و غلط کار و گنہگار نہ ہو

ضرور چاہیے ہاں تازیانۂ تنقید!
اگرچہ تنگ نگاہی کا تو شکار نہ ہو

وہ شعر شعر نہیں خامیاں نہ ہوں جسمیں
اگر یہ بات نہ ہو، شعر کا معیار نہ ہو

پہلا دور

اعترافؔ

مرے کلام میں مانا تاثرات نہیں
تری نگاہِ غلط بیں کا امتحاں تو ہے

یہ بات اور ہے اشعار میں نہ ہوں معنی!
ہر ایک شعر ترے دل کا رازداں تو ہے

"دریچے"

وہ دریچے جن سے کل تک جھانکتی تھی زندگی ؛
وہ دریچے جن سے کل تک چھن رہی تھی چاندنی

وہ دریچے ریشمی پردوں پہ جنکے کل تلک
رقص فرما تھی جبینِ حسن کی تابندگی

وہ دریچے جنکے رنگیں حاشیوں کے درمیاں
مُسکراتا تھا تبسّم آفریں سا اک جہاں

وہ دریچے اوٹ سے چھُپ چھُپ کے جنکی بار بار
گُدگُداتی تھی میرے دل کو نگاہِ نوجواں

وہ دریچے جنکی پیشانی پہ موجِ کیف و نور
جھلملا اٹھتی تھی بن کر میری قسمت کا شعور

وہ دریچے عشوہ ہائے حُسن جن سے آشکار
وہ دریچے جلوہ گر جنمیں تھے تمثیلِ حور

آج تم بن ان دریچوں پر نہیں ہے رنگ و روپ
چھا رہی ہے ان پر غم کی چلچلاتی تیز دھوپ
اسطرح اُجڑا ہے اُن دلکش دریچوں کا سنگار
فصلِ گُل سے چھین لے جیسے خزاں گردن کا ہار
جن میں تم کو ہر گھڑی رہتا تھا میرا انتظار
وہ دریچے آج ہیں تم بن بہت ہی سوگوار
تم کہاں جا کر چھپے ہو شیشۂ دل توڑ کر
دو مجھے آواز اب تم ہو کہاں پر جلوہ گر؟

"شعرِ حسین"

عطر ساماں ہر ادائے نازنیں
مہکا مہکا سا ہے آغوشِ حسیں
تم ہو جانِ رنگ و بو شعرِ حسیں
بربطِ زرّیں ہو نغمہ آفریں
شوخیٔ رنگیں، نزاکت آفریں
نور میں ڈوبا ہوا ہے جسمِ شبنمیں
تم نے سرکائی جبیں سے جب نقاب
آسماں سے گر پڑا ماہِ مبیں
زندگی کی وادیٔ غم ناک میں
ہو مہکتی ایک فردوسِ حسیں
جگمگا اٹھی ہے دل کی کائنات
تم سراپا ہو تجلّی آفریں

مستیوں کا تم ہو جامِ زرنگار
مہر بن کر تم ہو ذرّوں میں مکیں
زندگانی لڑکھڑا کر رہ گئی
تم نے جب نظروں میں نظریں ڈال دیں
تم ہوئے گرمِ تکلّم جب کبھی!
وجد میں آ کر بہاریں گا اٹھیں
لو نہ سینہ تان کر انگڑائیاں
جذب ہو جاؤں نہ میں ان میں کہیں
چشمِ میگوں میں ہیں رقصاں میکدے
جھومتی، گاتی، گھٹائیں چھا گئیں
جُنبشِ لب ہائے رنگیں کے نثار
ہنس پڑی ہے دل کی چٹیل سرزمیں
غرق ہیں چشمِ حسیں میں دو جہاں
ذرّہ ذرّہ غیرتِ خُلدِ بریں
حُسنِ رادھا، سرزمینِ ہند پر
ساحلی ہے جلوہ بارو دلنشیں

مُسکراہٹ

شباب اس میں ہے کتنی بجلیوں کا
ہے اسمیں روپ کتنی دیویوں کا

ہے کتنے گلستانوں کی روپہلی
ہیں کتنی ہی بہاریں اُجلی اُجلی

ہے کتنے چاند تاروں کا تبسّم
حسین نغمات کتنے اس میں ہیں گمُ

ہے کتنی جگمگاتی جنتّوں کا
فسانہ کروٹیں لیتا ہوا سا

ہے کتنی چاندنی راتوں کا جوبن
ہیں کتنے بخت خفتہ اس میں روشن

جمال وحُسن کی دل کش کہانی
ہے مچلی مچلی حوروں کی جوانی

کلی کا کنوارپن ، پھولوں کا جوبن
ہو جیسے طور پر جلووٗں کا گلشن

جہانِ رنگ وبو کی جھلملاہٹ
سمٹ کر بن گئی ہے مسکراہٹ

تم اِسکو عام اِس درجہ نہ کردو
تم اِسکو اِس قدر ارزاں نہ سمجھو
تم اس میں ہو، تمہاری آبرو ہے
اچھوتی عصمتوں کی آرزو ہے

"رونا"

صُبح رونا ہے شام رونا ہے
اَب مرے دل کا کام رونا ہے

نام کو ہے خوشی تو دنیا میں
ورنہ دُنیا میں "عام" رونا ہے

مری ناکامیاں کوئی دیکھے
سر سے پا تک تمام رونا ہے

اِک "محبت کا نام خوش کامی
اِک" محبت کا نام رونا ہے

اَب خزاں آئے یا بہار آئے
شغل اَپنا مدام رونا ہے

اپنی قسمت پہ مجھ کو رونے دو
میری دنیا کا نام رونا ہے

اتنا سمجھے ہیں ہم محبت میں
ساحلی صُبح و شام رونا ہے

مستیوں کے چھلکتے پیمانے
تیرتے ہیں فضا میں میخانے
اُن میں تم ہو تمہارا کیفِ شباب
پھر بھی خود کو مگر نہ پہچانے

یہ جواں اور دل نشیں نغمے
زندگی جن سے مست و بیخود ہے
ہے تمہاری ہی گفتگو کا فسوں
راز اب تک یہ تم نہیں سمجھے

ہم نے ہر رنگ میں تمھیں دیکھا
اور ہر روپ میں تمھیں پایا
خود تمہاری نگاہ نے تم کو
درحقیقت ابھی نہیں دیکھا

"فرقِ نگاہ"

لے کے ہاتھوں میں چاند تاروں کو
کھیلتے ہو تُم اِس لئے خوش ہو
محفلِ مہر و ماہ و انجم میں
ہم یہ کہتے ہیں صرف اک تم ہو!
فخر اِس پر ہے تم کو جانِ قرار
آگئی راس تم کو فصلِ بہار
کہہ رہی ہے مری نظر لیکن
تم سے قائم ہے حسنِ باغ و بہار
شاید اس واسطے ہو تُم مغرور
ہے میسّر جہانِ رنگ و نُور
تم نے سوچا نہیں مگر ناداں
ہر نظر ہے تمہاری جلوۂ طُور

"شبِ انتظار"

آسماں سے گر رہا ہے چاندنی کا آبشار
رات کی دیوی نے چھیڑا ہے خموشی کا ستار
مست و بیخود، نرم رو جھونکے ہوا کے خوشگوار
ہر طرف برسا رہے ہیں رس بھرے میٹھے ملہار
منتظر ہے اک بہشتِ رنگ و بو تیرے لئے
ہیں قدم بوسی کو تیری رہگذار زیں بے قرار
سو رہی ہے نیند کی دلہن سے لپٹی کائنات
میں لئے بیٹھا ہوں آنکھوں میں جہانِ انتظار
اب تو قلبِ ناتواں بھی چھوڑ بیٹھا حوصلہ
ہو گئی ہیں راہ تکتے میری نظریں تک فگار

آسماں پر بھی ستارے آنکھ جھپکانے کو ہیں
پھینکنے کو ہے عروسِ کہکشاں اپنا سنگار
صبح تک تیرے نہ آنے کی رہیں سرگرمیاں
اب اُجڑنے کو ہے کوئی دم میں بزمِ انتظار
خون ہونے کو ہے میری اُس جواں امیّد کا
یاس کو بخشا ہے جس نے کامرانی کا نکھار
میں ہی بدقسمت ہوں کچھ اس میں نہیں تیرا قصور
سہہ سکا میں ایک لمحہ بھر نہ دردِ انتظار

انتظار و ہجر کی دلکش کہانی ختم ہے
آج دل کی دھڑکنوں کی زندگانی ختم ہے

"بے چینیاں"

وہ دِل کے نوجواں، مخمور جذبے
مچلتے تھے تمھارا نام سُن کے
وہ نظریں جو تمہاری جُستجو میں
ستارے توڑ لاتی تھیں فلک سے

وہ ارماں مضطرب، بیتاب دل کے
وہ اُمّیدیں جنھیں نسبت تھی تم سے
وہ دل کی آرزو ہر دم جو تم پر
ہوا کرتی تھی جان و دل سے صدقے

تمہارے حُسنِ کامل کے نظارے
شباب و شعر کے بد مست دھارے
تھے کیف آلود بھی، تسکینِ جاں بھی
تمہاری چشمِ میگوں کے اشارے

وہ یادیں جن کی، تھے آغوش میں تم
وہ یادیں تلخیٔ غم، جن میں تھی گم
فضا میں گھولتے تھے روشنی سی
وہ یادیں جن کے جلوؤں کے تبسّم

مگر میں اُن کے اَب قابل نہیں ہوں
پریشاں حال ہوں، قلبِ حزیں ہوں
تباہیٔ عروسِ دو جہاں کی
جو سچ پوچھو تو اک تپتی جبیں ہوں

سمجھتے ہو جنھیں وابستہ مجھ سے
تمھیں اُن آرزوؤں کی قسم ہے
بہاؤ میرے غم میں تم نہ آنسو
بھُلا دو یاد میری اپنے دل سے

اسی میں خیریت ہے تم اپنی جانو
بُرا اے میری جاں اس پر نہ مانو
میں کیا ہوں مرکزِ آلامِ دُنیا
مجھے برباد سا برباد جانو

مرے دل کے قریں ہرگز نہ آؤ
کہیں برباد تم بھی ہو نہ جاؤ
ہے میری آخری اب یہ تمنّا
رہو تم شاد ہر دم مُسکراؤ

ہیں افسردہ جہاں بے باک غمزے
اُگلتے ہیں جہاں پر آگ نغمے
جہاں پر موت طاری ہے سکوں پر
جہاں پر ہر نفس ہے حشر پرور
جہاں پر کانپتی ہے رُوحِ عصیاں
تجلّی ہے جہاں ظلمت بداماں
جہاں پر سانس گھٹتی ہے خوشی کی
جہاں پر زندگی کھوئی ہوئی سی
محبّت خون روتی ہے جہاں پر
یہ عالم ہے جہاں، پھر بھی وہاں پر
ترے غم کے سہارے جی رہا ہوں!

"جبر"

ترے غم کے سہارے جی رہا ہوں
جہاں غم کے بھی پر جلتے ہیں آتے
جہاں پر حادثے ڈرتے ہیں آتے
جہاں پر دم بخود ظلم و ستم بھی
جہاں پر رحمتیں مجروح و زخمی
جہاں پہ نظمِ خدا پر نکتہ چینی
جہاں پر ختم ہے لطف آفرینی
جہاں پر لوٹ ہے ڈاکہ زنی ہے
جہاں پہ دوستی میں دشمنی ہے
جہاں انسان کی لاشوں پر انساں
ہوا کرتے ہیں خنجر لے کے رقصاں

"دُنیا"

کتنی دُنیاؤں کی اک دُنیا ہے تُو
پھر تجھے دُنیا نہ سمجھی کیا ہے تو؛

کوئی کہتا ہے تجھے باغِ اِرم
کوئی کہتا ہے جہانِ رنج و غم

اور سمجھتا ہے کوئی دار المحن
اور کوئی کہتا ہے خوشیوں کا چمن

تُو ہے صنّاعِ ازل کا شاہکار
جان و دل سے تجھ پہ انساں ہے نثار

میں یہ سمجھا ہوں کہ تُو کچھ بھی نہیں
ہے نگاہوں کا فریبِ دل نشیں

ہم نشیں "دنیا" ہے اک ایسا مقام
جس جگہ لُٹتا ہے اِنساں صُبح و شام

کلفتیں، دُکھ، درد، کرب، اندوہ و غم
روز اس دُنیا میں لیتے ہیں جنم

اور انھیں انسان بے چوں و چرا
جانے سہہ لیتا ہے کیوں ہنستا ہوا

اس لئے شاید کہ کچھ اُن کا بدل!
جُرم کی صورت میں مل جائیگا کل

جشنِ شادی"

آج ہے شادی کا دن، آنسو بہانا بھول جا
گیت جو میں نے سکھائے تھے وہ گانا بھول جا
یعنی دُنیائے تخیّل کو سجانا بھول جا
عمر بھر کے واسطے اب مسکرانا بھول جا
آج وہ دن ہے نہ آئے گا کبھی جو لوٹ کر
آج وہ دن ہے کہ جس کا تذکرہ ہے عرش پر
آج وہ دن ہے کہ جس پر تھی زمانے کی نظر
آج وہ دن ہے کہ جس کا منتظر تھا گھر کا گھر
آج ہر مہمان و ہر پیر و جواں ہے شادماں
تجھ سے تیری زندگی کا چھین کر عہدِ جواں
ہر عزیز و اقربا کا تجھ پہ بے حد پیار ہے
یعنی تیرے پیار سے اک مستقل انکار ہے

باب وہاں بھی جان و دل سے آج ہیں تجھ پر نثار
یعنی بے حد ہے تری بربادیوں سے ان کو پیار
تجھکو امّیدوں کی لاشوں سے بیاہا جائے گا
زندگی بھر کے لئے تجھ کو مٹایا جائے گا
آہ تو پھر کس لئے ہے پیکرِ حزن و ملال
چاند سے مکھڑے پہ کیوں ہے یاس و نومیدی کا جال
کس لئے تیری جوانی آج ہے آشفتہ حال
ہو رہا ہے سانس تک لینا بھی کیوں تجھکو وبال
مضمحل سی، مضمحل، افسردہ سی افسردہ ہے
کیوں شفق آلود رخساروں پہ غم رقصندہ ہے
میں نہ کہتا تھا کہ یہ رسم و روایاتِ کہن
ظلم بن کر ہم پہ برسیں گے یہ فرسودہ چلن
میں نہ کہتا تھا کہ ہے یہ مرحلہ بیحد کٹھن
سہہ سکے گی بارِ غم ہرگز نہ تو اے سیم تن
تجھکو تجھ سے چھین کر پہونچایا جائے گا وہاں
عصمتیں تلتی ہیں سیم و زر کے کانٹے پر جہاں

"چوم لوں"

دردآشنا سی تیری جفاؤں کو چوم لوں
راحت نواز تیری سزاؤں کو چوم لوں

ہے رقصِ کناں جسمیں اداؤں کا تیری لوچ
اُن پرخم و پرپیچ صباؤں کو چوم لوں

آ، لے لوں ترے چاند سے مکھڑے کی بلائیں
آ، نرم و حسین تیری اداؤں کو چوم لوں

وہ لب رہے جو ہر گھڑی حرفِ دُعائے خیر
اُن شکّریں لبوں کو دعاؤں کو چوم لوں

"تو" کہاں صبحِ بہارِ زندگی اور "وہ" کہاں
جا چکیں جسکی بہاریں، چھا گئی جسپر خزاں
میں نہ کہتا تھا تجھے اے نازشِ حسنِ حناں
ہو کے یکجا رہ نہیں سکتے کبھی ہم شادماں
آج کے دن ہے مسرت بار یوں تو آسماں
ہر خوشی تجھ پر ہے تیری زندگی پہ نوحہ خواں
کون ہے تیری جوانی کا یہاں پر قدر داں
تیرے دل کی دھڑکنوں کا کون ہے اب رازداں
رسمِ کہنہ کے دہکتے دوزخوں کے درمیاں
تجھکو جھونکا جا رہا ہے بے قصور و بے گماں
تیرے جذباتِ جواں کا کس کو ہے یاں احترام
سب یہ کہتے ہیں یہاں رسمِ محبّت ہے حرام
کب سمجھتے ہیں محبّت زندگانی کا ہے نام
یہ جو فردوسِ ہوس کے سب یہاں پر ہیں غلام
گود میں ناز و نعم کی تجھ کو پالا بھی گیا!
اور رنگ و نور کے سانچوں میں ڈھالا بھی گیا

لوریوں سے کیف و نکہت کی سلایا بھی گیا
تیری خاطر راگ امیدوں کا گایا بھی گیا
اور اب قربان تجھ کو رسم ورہ پر کر دیا
اب تو چیخے بھی تو کیا اور لاکھ تڑپے بھی تو کیا
بس یہی بارِ گراں ماں باپ پر تھا فرض کا
آج اسکو بھی بخیر و عافیت پورا کیا!
جشنِ شادی ہے یا بربادی کا ہے جشنِ حسین
گر نہ جائے آسماں اور پھٹ نہ جائے یہ زمیں
ہوں مبارک تجھکو شادی کی یہ رنگیں ساعتیں
ہے دعا اس آئیں تجھکو ایسی لاکھوں جنتیں
تو خزاں میں بھی پھلے پھولے مری روحِ رواں
دُر فشاں تجھ پر رہے تیرا سہاگ جاوداں

ہاں میں تجھکو عمر بھر بھی نہ بھولوں گا اُنیس!
یاد تیری دل میں اپنے دفن کر لوں گا اُنیس

جس نے بلائیں لی مری غمگیں حیات کی
اُس مہرباں نظر کو، بلاؤں کو چوم لوں

وہ حُسن جسکی چھاؤں میں چمکی ہیں قسمتیں
اُس حسنِ بے پناہ کی چھاؤں کو چوم لوں

جن پر مدام اُن کی کرم باریاں رہیں
پھر کیوں نہ اُن صبیح خطاؤں کو چوم لوں

حوروں کی جن میں شرم ہے، پاکیزگیٔ خلد
ان مرمریں، لطیف حیاؤں کو چوم لوں

ہے جنکا کام ساحلی نغمہ نوازیاں
اُن میں سما کے ان کی صداؤں کو چوم لوں

اڑاتا مضحکہ میں بجلیوں کا
ہمہ تن سوئے منزل ہی رواں تھا

پہونچنے ہی کو تھا منزل پر اپنی
کسی نے ناگہاں مجھکو صدا دی

کہ تم نے مجھ سے آنکھیں پھیر لی ہیں
امیدوں کی شمعیں گُل ہو گئی ہیں

یہ سُن کر پائے استقلال لرزا
یہ سُن کر کاروانِ عزم سہما

یہ سُن کر نبض چھوٹی زندگی کی
اُجڑ کر رہ گئی دنیا کسی کی

تمھیں تھے حاصلِ صد کامرانی
تمھیں تھے حاصلِ صد زندگانی

گوارا کب ہے تم بِن مجھ کو جینا
ہوا اب ختم جینے کا قرینا

کہانی رہ گئی دِل کی اَدھوری
کریگا کون تم بِن اِس کو پوری

کہانی

میں ٹکراتا ہوا کوہ و دمن سے
چلا تھا میں حاصل تم کو کرنے

کچلتا، روندتا دشت و جبل کو
چلا تھا مات دینے میں اجل کو

مجھے برقِ و حوادث نے بھی ٹوکا
جہاں والوں نے بھی ہر چند روکا

جہاں میں انقلاب ایسے بھی آئے
قدم اہلِ جہاں کے ڈگمگائے

کی دنیا نے بھی مجھ سے بیوفائی
نہ کی پرواہ کچھ پھر بھی کسی کی

میں ہنستا، کھیلتا طوفانِ غم سے
گذرتا جا رہا تھا زیر و بم سے

"اندیشہ"

میں غم سے برسرِ پیکار ہو نہ جاؤں کہیں
تباہیوں سے خبردار ہو نہ جاؤں کہیں

اسی لئے تو کھٹکتا ہوں قلبِ ہستی میں
کہ بڑھ کے خار سے تلوار ہو نہ جاؤں کہیں

ہے شادماں مری بربادیوں پر ایک جہاں
مئے نشاط سے سرشار ہو نہ جاؤں کہیں

میں غم نصیب ہوں اتنا نہ مجھ کو یاد کرو
تمہاری جان کا آزار ہو نہ جاؤں کہیں

ہے غفلتوں میں بھی آگاہیوں کا راز نہاں
میں اُن سے دیکھنا ہشیار ہو نہ جاؤں کہیں

اِسی لئے وہ چُراتے ہیں ساحلی نظریں
میں اُن سے اُن کا طلبگار ہو نہ جاؤں کہیں

"منظرِ امروز!"

ڈھونڈ رہا ہوں آج وہ تیرا تبسّمِ حسیں
جس نے ہنسا ہنسا دیا تھا دلِ فطرتِ حزیں

کس لئے بات بات میں پہلی سی شوخیاں نہیں
جن پہ کہ تم کو ناز تھا اب وہ ادائیں کیا ہوئیں

بدلا ہے اس طرح سے کچھ دورِ حیات ہمنشیں
جینے کا غم نہیں ہے گر، مرنے کا رنج بھی نہیں

برق و شرر فشاں ہے کیوں فصلِ بہار آجکل
تیرے خرامِ ناز میں پہلی سی بات کیوں نہیں؟

بدلی ہوئی نگاہ آج آپ کی دیکھتا ہوں میں
لاؤں کہاں سے وہ نظر تھی جو سکون آفریں

چرخِ ستم شعار بھی بھول گیا ہے اپنی چال
آئینہ دارِ حشر ہے ہر اک تصوّرِ حسیں

گردشیں راس آچلی ہیں مجھے دو جہان کی
فتنے اٹھائے کاش اور ایسے میں کوئی نازنیں

پروردۂ سرود و کیف تھیں جو ہوائیں کل تلک
ساحلی بنکے رہ گئیں وہ بھی جہنّم آفریں

"پُر ملال خط!"

سکت نہیں ہے خط اک تمکو لکھ رہی ہوں مگر
نہیں ہیں ہوش بجا، کانپتے ہیں قلب و نظر
چمک رہا ہے نگاہوں میں موت کا خنجر
ہے جانِ زار پہ طاری اِک عالمِ محشر
ہے شعلہ ریز نفس اور پاش پاش جگر
ہے یعنی دُنیائے صبر و قرار زیر و زبر
ہر ایک منظرِ رنگیں ہے موت کا منظر
میں جی رہی ہوں یہاں درد و غم کے زیرِ اثر
جسے سمجھتے ہو تم کائناتِ دل کی بہار
جسے سمجھتی ہے دُنیا تمہارے دل کا قرار
جسے سمجھتے ہو تم اپنی ملکۂ اشعار
وہ کئی دن سے ہے جاں کاہ عارضوں کا شکار

جسے سمجھتے ہو تم زندگی کی روحِ رواں
کہ جس پہ کرتے ہو تم اپنی جان تک قربان
اَب اُسکے سینۂ سوزاں سے اُٹھ رہا ہی دُھواں
تُلی ہوئی ہے اَجل آج اُسکی لینے جان

تمہارے قصرِ محبّت کو ڈھا رہا ہے جہاں
بچا سکو تو بچاؤ تم اُس کو آ کے یہاں
ہے بند قلب کی دھڑکن رکی ہوئی ہو زباں
سما رہا ہے نگاہوں ہیں جانکنی کا سماں

نہ آؤ گے تو تڑپتی رہے گی رُوح مری
نہ چین سے میں کبھی رہ سکوں گی مر کر بھی
تمہارے آنے سے اک زندگی ملے گی نئی
بس آخری مری اک التجا ہے تم سے یہی

"جواب پُرملال خط سے"

تمہارے نامۂ حزن و ملال کو پڑھ کر
سراپا غرق ہوں درد و الم میں پھر بھی مگر
بیں کر کے چھوڑوں گا میدانِ زندگی کو سر
بہار بن کر میں چھاؤں گا ایک دن تم پر

نہ توڑ دینا کہیں آسِ دل کی گھبرا کر!
وہی ہے جینا، جو جینا ہو زہر غم کھا کر
نہ رکھنا میری جدائی میں دل کو تڑپا کر
تمہارا فرض ہے تم دل کو رکھنا سمجھا کر

ہیں کچھ دنوں کے لئے گردشوں کی یہ چکر
ہے دینی مات انھیں مجھکو ہو کے سینہ سپر
ہے آگے بڑھنا مجھے کوہ غم کو ٹھکرا کر
بڑھے گی چومنے قدموں کو میری فتح و ظفر

جُھکا کے چھوڑوں کا دنیا کو تیرے قدموں پر
گھٹائیں لائیں گی دامن میں منتیاں بھر کر
کریں گے شمس و قمر گُہر باریاں تجھ پر
کریں گی تجھ پہ بہار عطر بیز یاں آ کر

اجَل کے پیر پڑوں گا، اجَل جو آئے گی
مٹانے دوں گا نہ تم کو، اگر مٹائے گی
اگر یہ دُنیا کبھی ظلم تم پہ ڈھائے گی
یہ پھر نہ ہاتھوں سے بچکر کہ میرے جائے گی

سنا ہے اہل زمانہ سے ہم نے یہ اکثر
خدا کا سایۂ رحمت ہے ساری دنیا پر
اگر یہ سچ ہے تو تم بھی رکھو خدا پہ نظر
ضرور آئیگی امیّد بر خدا ہے اگر

میں تیرے غمکدۂ دل کی عشرتیں بن کر
ترے حسین تخیّل کی زینتیں بن کر
ترے تڑپتے ہوئے دل کی راحتیں بنکر
میں آؤں گا تری نظروں کی جنتیں بنکر

میں آ کے پھر تمھیں ہر وقت شاد دیکھوں گا
غمِ فراق سے تم کو بچا کے رکھوّں گا
دوبارہ پھر نہ کبھی بھول کر میں بچھڑوں گا
بنا کے راز میں سینے میں تم کو رکھوں گا

مری وجہ سے تمھیں بارِ غم اُٹھانا پڑا
چراغِ امیّد و تمنّاؤں کا بجھانا پڑا
بنا کے خوں تمھیں آنکھوں سے دل بہانا پڑا
جو گیت نالوں کا گایا نہ تھا وہ گانا پڑا

شکار جبکہ میں ہر چند حادثوں کا رہا!
میں پھر بھی دل سے تمھیں آج تک بُھلا نہ سکا
خطا ہوئی ہے تو اتنی ہوئی ہے مُجھ سی خطا
سہارا لیکے جیا میں تری جُدائی کا

مرا قصُور اگر اور بھی کوئی ہو تو ہے؟
تم اپنے لُطف و کرم سی اُسے بھی معاف کرو
تمھیں قسم ہے مری تم مرا یقیں کر لو
میں آنیوالا ہوں کچھ دن میں تو ملول نہ ہو

"راکھی"

یہ راکھی میری قسمت کا ستارا بنکے چمکے گی
یہ راکھی دل کی مُرجھائی ہوئی کلیاں کھلاویگی

یہ راکھی باعثِ صد شادمانی ہو مرے دل کی
یہ راکھی ہے دلیلِ غمگساری جذبہ کامل کی

یہ راکھی گل ہے وہ میرے لئے سچّی عقیدت کا
ہوں باغِ خُلد کی رنگینیاں بھی جن سے شرمندا

بہن اور بھائی کا یہ راکھی اک مضبوط بندھن ہے
جو گر کر بھی کبھی ٹوٹے نہیں وہ دل کا درپن ہے

مسرت کے شگوفے اب اُگیں گے غم کے صحرا سے
قرینے زندگی سیکھے گی پھر سے کامرانی کے

موت

میں تجھے آواز کب سے دے رہا ہوں اے اجل
آکہ تُو ہے زندگی کا اک انعامِ بے بدل
مرمریں باہیں مری گردن میں آ کر ڈال دے
زندگانی کی بلائیں میرے سر سے ٹال دے

اور ہاں سُن، جس کی خاطر مسکوں اور جی سکوں
ہے مُسلّط زندگی پر جس کی نظروں کا فسوں
جس کو تجھ سے بھی سوا ہے زندگانی پر اختیار
جس کو اپنی زندگی کا کہوں پروردگار

جس کے پائے ناز پر جھکتی ہے شاہوں کی جبیں
جلوہ گاہِ ناز جس کی رشکِ فردوسِ بریں
میکدہ بردوش ہیں جس کی حسیں انگڑائیاں
یعنی اک بہکا ہوا سا مستیوں کا کارواں

آہ: وہ جسنے زمانے کی بھی کچھ پروا نہ کی
میری خاطر جس نے تج دی زندگی کی ہر خوشی

اور وہ میرے لئے جسکے شبستاں بے قرار
جس نے انگاروں کی آنکھوں سے بہائے آبِ نثار

جسنے ہنس کر جگمگائیں یاس وغم کی ظلمتیں
جسکے ہر انداز میں مہکیں گلوں کی نکہتیں

اور وہ جس کی جوانی کی نشیلی چھاؤں میں
پرورش پاتی رہی ہیں میرے دل کی جنتیں!

سینۂ سیمیں سے جس کے ہو طلوعِ صبحِ نو!
جس کی تابندہ جبیں سے گا اُٹھے تاروں کی ضَو

جس کے جلوؤں نے سنواری ہے بہارِ زندگی
جس کی زلفوں کی لپٹ سے ہے فضا مہکی ہوئی

میری راہیں دے اٹھی ہیں جسکے نقشِ پا سے لو
یعنی ہے نازِ مجسّم پیکر تنویر جو!

پا نہ جائے وہ ترے آنے کی آہٹ دیکھنا
ورنہ وہ مجھکو کہے گی "بیوفا" "بے اعتنا"

اور کہیگی جا رہے ہو تم کہاں پر چھوڑ کر
آدمیّت رہ گئی ہے جس جگہ دم توڑ کر
کو سنے دیگی تجھے بھی ہو کے بیحد مضطرب
چھین لیگی تجھ سے تری قوتِ غیض و غضب
ہر طرف ہوگی قیامت ہر طرف کہرام سا
یعنی اک ہوگا کٹھن جدّ و جہد کا سامنا
ہو گئی رنگین نظّاروں کو بھی گر تیری خبر
اُس گھڑی ہو جائیگا مرنا مجھے دشوار تر
آ! اور اِس انداز سے آ! ہو نہ مجھکو بھی خبر
اور تجھے بھی دیکھنے پائے نہ خود تیری نظر

دیکھکر ورنہ مری بربادیوں کا شاہکار
ڈر ہے تجھکو بھی نہ آجائے مِرے مَرنے پہ پیار

"گجرے"

یاد ہیں اے ہمدم و غمخوار اے میری انیسؔ[1]
تو نے بخشے تھے محبت کے جو لمحاتِ نفیس

تیرے قدموں میں بچھی رہتی تھی تاروں کی بساط
یاد ہے ہاں تو ہی تھی صد حاصلِ کیف و نشاط

یاد ہے ہاں وہ لب و لہجہ ترا نغمہ فروش
جس سے تھی مجھکو میسّر راحتِ فردوسِ گوش

میری امیدوں کی قندیلیں فروزاں تم سے تھیں
زندگی کی جنبشیں گر تھیں تو ارزاں تم سے تھیں

تھا کبھی میں یوں محیطِ حلقۂ چشمِ حسیں!
جسطرح ہو سُرمئی آنکھوں میں اک پُتلی مکیں

جنبشِ پا سے تری تھا دل دھڑکنے کا شعور
تم سمجھتی تھیں مرے دل کا جسے ادنیٰ قصور

[1] تلمیح۔

تیرے استغنا میں بھی تھا اک یزدانی شکوہ
جسکے آگے آج بھی ہیں سر بسجدہ دشت و کوہ
حوصلے میرے جری تھے اور ارادے آہنی
حوصلہ شکنی کی عادت تھی نہ دل کو جب کبھی
یاد ہیں وہ نرم و نازک سی حنائی انگلیاں!
جنمیں غلطاں تھی جہانِ حُسن کی نیرنگیاں!
یاد ہیں انگڑائیوں پر وہ حسیں انگڑائیاں
حشر عنواں بھی جو تھیں اور وجۂ تسکینِ جاں
آ کے جب پڑتی مصیبت مجھ پہ کوئی ناگہاں
یاد ہے کرتی تھی اک تم ہی مری دلجوئیاں
تھا لبِ گل رنگ سے سرچشمۂ حیواں رواں
جس کو رہتے تھے مرے جذباتِ پی کر جواں
جب کبھی بھولے سے تم آتی تھیں ہو کر بے نقاب
شرم سے نظریں جھکا لیتا تھا اپنی آفتاب
یاد ہے وہ سینۂ سیمیں پہ تھا رقصاں شباب
زندگی پرور تھا جس سے میرے دل کا اضطراب

کُندنی ماتھے پہ تھی یوں نُقرئی جھومر کی تاب
آسماں پر جسطرح رخشندہ پروین کا شباب
تھی ترے انداز سے شانِ الوہی آشکار
زُہد و تقوٰی تھے تری عفّت شعاری پر نثار
آرزوئیں اور تمنّائیں تھیں تم سے شاد کام
آسماں مجھ پر مسرّت بار تھا جب صُبح و شام
اور اپنی ان نوازشوں کے بدلے میں جب
یاد ہے تونے کئے تھے صرف "گجرے" ہی طلب
کی نہ کچھ محسوس تونے حاجتِ عیشِ و طرب
صرف گجروں کے سوا کچھ تھا نہ تجھکو یاد جب
مَرمَریں باہوں میں تھا معصُوم کلیوں کا گُداز
تھا نہ جن سے میری گردن کو گوارا احتراز
بَرف جیسی انگلیوں سے گُدگُدانا یاد ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی آگ سی دل میں لگانا یاد ہے

دیکھتا تھا جب تجھے شام و سحر محوِ خرام
حادثاتِ زندگانی مجھ پہ تھے قطعاً حرام
یاد ہیں تیری نگاہوں کی مجھے وہ جرأتیں
تیز ہو جاتی تھیں جن سے میری دل کی دھڑکنیں
جب کبھی غمگین و افسردہ مجھے پاتی تھیں تم
مجھکو دیتی تھیں تسلی، خود تڑپ جاتی تھیں تم
راس آ سکتی نہ تھی تجھ بن مجھے فصلِ بہار
تیری زلفِ عنبریں سے ہر نفس تھا مشکبار
یاد ہے تمکو سنا تا تھا مرا جب انتظار
یاد ہے آتا نہ تھا پل بھر ترے دل کو قرار
لے کے جب میرے تصوّر کو جلو میں بار بار
یاد ہے پہروں کیا کرتی تھیں یوں تم مجھ کو پیار
ڈبڈبا آتی تھیں آنکھیں ڈوبنے لگتا تھا دل
یاد ہے جب تم دھڑکتے دل پہ رکھ لیتی تھی سِل

میرے مستقبل کی تابندہ تھی تم سے شاہراہ
تھی نہ مجھ پر گردشِ آلام کی حاوی سپاہ
تھی ترے پازیب کی جھنکار بیداری کا راگ
جس کو سنکر دور رہتے تھے سیہ بختی کے ناگ
بسترِ خوابیدہ سے اٹھتی تھی جب تو صبحدم
جاگ اٹھتے تھے ترے ہمراہ یہ دیر و حرم
جانتا ہوں دردِ دل کا آج بھی درماں ہو تم
زندگی بن کر رگ و پے میں مری غلطاں ہو تم
رنگ و بو کی آج بھی تم ہو مکمل اک بہشت
آج بھی تم سے نمو پاتی ہے بزمِ خوب و زشت
اے مری جانِ تمنا اے مری روحِ نشاط
میں سمجھتا ہوں تمہیں کو صرف فخرِ انبساط
تم ہو وہ میخانۂ قدرت کا اک رنگین جام
آج تک کرتی ہے خود قدرت بھی جس کا احترام

آ گیا ہے آہ اب اِس دل کے آئینہ میں بال!
بھول کر بھی تم جسے ہونے نہ دیتی تھیں نڈھال!

آہ لیکن آج ہے تجھ بن مری دُنیا اداس
ہے خوشی تو پھر خوشی آتا نہیں اب غم بھی راس

ٹوٹتی رہتی ہے اب ہر لمحہ میرے دل کی آس
ذرّہ ذرہ ہے جہانِ زندگانی کا اُداس

ہے ترے گجروں کا غم ایسے میں اک سنگین غم
کھل نہ جائے ڈر ہے میری زندگانی کا بھرم

اور عروسِ ہند کا ہے اُجڑا اُجڑا سا سہاگ
آہ وزاری ہے لبوں پر اور ناداری کا راگ

کیا ہوا گردش نے گر پھینکا ہے مجھکو تم سے دُور
کیا ہوا مجھ پر گراں ہے اِن دِنوں کیف و سُرور

پھر بھی وہ لاؤں گا میں تیرے لئے "گجرے" ضرور
جن سے تابانیٔ مہر و ماہ کا ٹوٹے غرور!

دوسرا دور

"وہم و یقیں!"

میرے اشعار ہیں ماحول و وقت کی اولاد
یہ بے ثبات ہیں لیکن ہیں ترجمانِ حیات
زبانِ شعر میں کہتا ہوں حالِ دل اپنا
ادب برائے ادب ہو یا ہو برائے حیات

"سہارے"

بحرِ ادبار کے گرداب میں گُم میری سعی
نظمِ انفاس میں آتی ہے نظر بے ربطی
جانے کیوں زیست کو حاصل ہے ثبات اتنا بھی
نقشِ مُبہم کے سوا کچھ نہیں میری ہستی

بے بسی حد سے بڑھی جاتی ہے ہر لمحہ مری
پاؤں پھیلائے ہوئے ہے مری ناکامی بھی
ڈبڈباتے ہوئے تاروں کی ضیا مدھم سی
ہے سسکتی ہوئی دنیا مری اُمیدوں کی

مُجھ سے مایوسی و نومیدی کا انبوہِ گراں
ہے شرربار کہیں گردشِ ایّام مری

آج در میرے لئے وا ہیں ستم خانوں کے
مجھ پہ نگرانی حوادث کی بھی ہے سخت کڑی

ہر قدم پر غم و آلام کے سیلاب بھی ہیں!
لرزاں لرزاں نظر آتے ہیں محلاتِ خوشی

یورشِ یاس کا منہ کھولے ہوئے ہے دوزخ
بھیس بدلا ہے خزاؤں کا بہار و نغمے مری

تنگ و تاریک مرے واسطے ہے وسعتِ دہر
کب ہے حاصل مجھے آوارہ سی، آوارہ سہری

منتظر قافلۂ غم ہے کہیں میرے لئے
راہ تکتی ہے کہیں گردشِ افلاک مری

ہچکیاں موت کی لیتا ہے مرادورِ سکوں
اب رہِ زیست میں کس چیز کی ہے اور کمی

مطلعِ حسن کی تابندہ جبیں کا پَرتَو!
عکس تاریک ہے غمناک نگاہوں میں مری

ہے بھرا زہر مری زیست کے پیمانے میں
اور ہے سوگ بھی، بے رنگی و بے کیفی بھی

ہیں سہارے مرے جینے کے یہ اسباب و علل
تُند طوفانِ حوادث کے بگولے وحشی

کیوں ہیں گُم نام خُدا کا ہی کرو ں شکر ادا
جب ستم کوش خداؤں کی نہیں کوئی کمی

جسکے ہوں اتنے "سہارے" پھر اُسے کیا پروا
گر بگاڑے بھی تو کیا اسکا بگاڑے گا خُدا

"اے گردشِ حیات"

تپتی ہوئی زمیں ہے شرر بار آسماں !
ہے یاس و غم کی آگ سی پگھلا ہوا جہاں
سُلگی ہوئی اُمید ہے دل ہے دُھواں دُھواں
آ تو ہی اپنی آتشیں باہیں گلے میں ڈال
اے گردشِ حیات مجھے تو ہی اب سنبھال

گھبرا کے میں نے غم سے جو نام خدا لیا
آئی ندا یہ دل سے کہ اچھّا نہیں کیا
غم کی بلندیوں کی نگاہوں سے گر گیا
بیٹھا ہوا ہے دیکھ مری ناک میں زوال
اے گردشِ حیات مجھے تو ہی اب سنبھال

ہر لمحۂ حیات مرا قہر آفریں!!

پل بھر جو مسکراؤں یہ قسمت مری نہیں
آرامِ جاں نصیب نہیں ہے مجھے کہیں
مشکل ہے مری رُوح کے زخموں کا اندمال
اے گردشِ حیات مجھے تو ہی اب سنبھال

خاموش و بے نوا ہے مرا بربطِ شباب
ڈوبا ہوا ہے میری اُمنگوں کا آفتاب
کھاتا ہے پیچ و تاب مرے دل میں اضطراب
ہیں بحرِ غم میں غرق شب و روز و ماہ و سال
اے گردشِ حیات مجھے تو ہی اب سنبھال

سنگین و استوار مرے عزم و حوصلے
سب سرد پڑ گئے ہیں مرے دل کے ولولے
لاکھوں رہِ طلب میں ہیں طوفان و زلزلے

پھیلا ہوا فریب کا ہر گام پر ہے جال
اے گردشِ حیات مجھے تو ہی اب سنبھال

چھائی ہوئی ہے چار سو تاریکیوں کی دُھول
ہیں صبحِ نو امید کی تابانیاں ملول
سر پر مسرتوں کے برستے ہیں غم کے پھول

تو کر سکے تو کر مجھے دنیا میں لازوال
اے گردشِ حیات یا خود ہو جا پائمال

"مُطرب"

جُھوم کے گا اِس طرح اے مطربِ آتش نوا
چھوڑ بیٹھے گردشِ ایّام دل کا حوصلہ!
کھیلنا ہر دم دلِ انساں سے غم بھی چھوڑ دے
رقص کرنا قلبِ ہستی پر ستم بھی چھوڑ دے
رُوح کی سب کلفتیں ہو جائیں گم نغمات میں
راحتیں ناچیں ترے نغمات کی برسات میں
چھیڑ اک ایسا بھی نغمہ اور گا ایسا بھی راگ
اسپِ خود بینی کی انساں چھوڑ دے گھبرا کے باگ

گھول دے بزمِ سیہ کاری کی جو کانوں میں آگ
جنّتِ سرمایہ داری کا اُجڑ جائے سہاگ

اُن نگاہوں کی رگوں کا جم کے رہ جائے لہو
حُسنِ کمسنی کی جھنپیں رہی ہے ہر دم جستجو

گر پڑیں طاقِ فلک سے چاند تاروں کے چراغ
حادثاتِ دو جہاں کا پھٹ کر رہ جائے دماغ

گائے جا جبتک تہ و بالا نہ ہوں دونوں جہاں
گائے جا یکجا نہ ہوں جبتک زمین و آسماں

گائے جا جبتک نہ پیدا ہو نظام ایسا کوئی
لے نہ جبتک ظلم کروٹ آپ خود اک رحم کی

بھُوک!

بھُوک ہے نقشِ تباہی، بھوک ناسورِ حیات
بھُوک ہے سڑتا ہوا سا زخمِ روحِ کائنات
بھوک ہے خامیٔ انساں بھوک ذلّت کا نشاں
بھوک جرموں کا، گناہوں کا عذابِ بے کراں
بھُوک کے دوزخ میں ہی ڈوبا ہوا سارا جہاں
بھوک سے لپٹا ہوا ہے زندگی کا کارواں
زرگری کی، عیش رانی کی، ہوس کی تیز بھوک
ظلم کی، شاہنشہی کی، جنگ کی خوں ریز بھوک

آرزوؤں اور، امیدوں کی، ارمانوں کی بھوک
میکدوں کی، رقص گاہوں کی، طربِ خانوں کی بھوک

زُہد کی، تقدیس کی، پیغمبری ملنے کی بھوک
عرش پر جنت بداماں زندگی ملنے کی بھوک

بھوک سے دن رات مَر مَر کے جئے جانے کی بھوک
زندگانی کے فریبِ دلنشیں کھانے کی بھوک

بھوک میں انسان کی رقصاں ہے اک ایسی بھی بھوک
مٹ نہیں سکتی جو، گرچاہے مٹانا دل کی بھوک

بھوک ہے قدرت کا زہر آلود وہ لطف و کرم
تاابد جو ہو نہیں سکتا کسی حالت میں کم!!

الغرض سرتابہ پا انسان ہے بیمارِ بھوک
کھا رہا ہے رات دن انسان کو آزارِ بھوک

"مشورہ!"

بلبیٹھ نہ جا فلک پہ چُپ، چاند سے چھیڑ چھاڑ کر
اور بھی رفعتیں ہیں چل، سینۂ چرخ پھاڑ کر

وقت کا اقتضا ہے یہ، برق و شرر سے دل لگا
تیغ سے دل کو گُدگدا، موت سے چھیڑ چھاڑ کر

شان سے اس طرح نکل، رن میں بپھر بپھر کے چل
زور وہ کر جو پھینک دے کوہ و دمن اکھاڑ کر

شمشیرِ بے نیام لے، تیغِ عمل سے کام لے
پیر سے اپنے بیڑیاں پھینک دے توڑ تاڑ کر

آگ اُچھال اچھال کر شعلہ زن آسماں سی کھیل
ساحلیؔ انجمن ہے سرد، آگ سے چھیڑ چھاڑ کر

دعوتِ عمل

کون کہتا ہے تجھے کھیل اور سرد آہوں سے کھیل
مقتضی ہے وقت، خون آشام تلواروں سے کھیل
تا بکے یہ بے حسی اے ننگِ ہمّت، تا بکے
کارزارِ زندگی میں گولہ توپوں سے کھیل
حوصلہ گر ہے تو اُٹھ! دیوِ الم سے جنگ کر
اژدروں کو چھیڑ، آتش بار سیاروں سے کھیل
خارزاروں سے گذر اور سُرخ انگاروں پہ چل
کوہساروں کو کچل دے اور طوفانوں سے کھیل

ہمّت و عزم و عمل کے کھیل کھیل اے ساحلی
یہ نہیں ہر وقت رنگین و حسیں خوابوں سے کھیل

"قادرِ مطلق"

و اگر ہے "قادرِ مطلق" تو پھر کیا بات ہے   درپئے آزار انساں آدمی کی ذات ہے

جبکی قسمت سخت محنت بھوک و غم اور حزن و یاس
کیسے وہ مانے تجھے تو قاضی الحاجات ہے
اور پھر درد و غم و یاس و تعب بھی بے ثبات
حیف ہے تیری خدائی حیف تیری ذات ہے
تو کہیں ہے کہ نہیں، آتا نہیں اسپر یقیں
گر ہے تو پھر کیوں نہیں ہوتا کرم، کیا بات ہے
امتیازِ حق و باطل کون کر سکتا ہے آج؟
ہار کو بھی جیت ہے اور جیت کو بھی مات ہے
اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی قیامت، ذُو الجلال
اک نیا ہنگامۂ محشر بپا دن رات ہے!

بُت پرستی گر ہے میری کافری اے ساحلی   بے سبب یہ بھی نہیں اسمیں بھی کوئی بات ہے

"تلخیاں"!

یہ خانقاہ یہ مسجد یہ مندر وگرجا!
ہے دفن عظمتِ یزداں یہیں پہ اور خدا
یہیں سے ہوتا ہے آغازِ بندہ و آقا
یہیں سے آدمی ہوتا ہے آدمی سے جُدا

یہیں پہ عظمتِ آدم کو آ کے جھکنا پڑا
تھا آدمی ہی وگرنہ خدائے ارض وسما

یہیں سے مولوی و پادری و پنڈت کا
برنگِ زُہد وتقدس گناہ بھی چمکا!
یہیں پہ مہر محبت کا جام توڑا گیا
فریب ومکر وریا نے جنم یہیں پہ لیا

یہیں پہ کھیلا گیا ہے عبادتوں کا جوا
یہیں پہ ملتا ہی سجدوں کی رشوتوں سے خدا
یہیں سے ہوتا ہے خونریزیوں کا سیلِ رواں
یہیں پہ بیٹھ کے انسانیت کو ذبح کیا
یہیں پہ پائے حکومت کی نیو رکھی گئی
جہانِ ظلم و تشدّد جواں یہیں پہ ہوا
یہیں سے ہوتی ہے تمہیدِ افتراق و نفاق
یہیں پلے ہیں قوانینِ جرم و جور و سزا
یہیں حیات نے بدلا ہے تاجرانہ لباس
یہیں پہ دوزخ و جنّت کا منحصر سودا

ہزار حیف کہ تو پھر یہیں ہے سربسجود!
تو جُزو و کُل ہے حقیقت نگر[1] ہے تیرا وجود

[1] حقیقت نگر، یعنی، جہانِ حقیقت" (آسامی)

"جمودِ بے بنیاد!"

تجھے خبر نہیں ہمدم جہاں ہوں میں آباد
ہے ذرہ ذرہ وہاں کا غریقِ استبداد

قیودِ عقبیٰ و دُنیا سے کب ہے وہ آزاد
کہ جس نے حرص پہ رکھّی ہو زیست کی بنیاد

قیامِ امن و سکوں ہو جہاں میں ناممکن!
ازل سے فطرتِ انساں ہے مجمعِ اضداد

ہر ایک شخص ہے ابنِ سیاست و حکمت
مگر ہر ایک محبت کے حق میں ہے جلّاد!

حوادثاتِ جہاں سے گذر جا بے پروا
نہ کر قبول ملے غیب سے اگر امداد

ہے انقلابِ مُسلسل ہی جانِ نظمِ حیات
جہانِ زیست ہے ورنہ "جمودِ بے بنیاد"

مٹا سکو تو دلِ ساحلی مٹا ڈالو یوں — ! کہ خود بھی چاہو تو پھر ہو سکے نہ دل آباد

فریبِ تعلقات

تعلقاتِ غمِ عیش تک ہے تیری نظر
حریفِ اپنی نظر کا ہے اسقدر کیوں کر

تعلقات کے پردے پڑے ہیں نظروں پر
وگرنہ دور نہیں ہے کبھی بشر سے بشر

یہ رسم و راہ، "فریبِ تعلقات" بھی ہیں!
تعلقات، فریبِ تعیُّنات بھی ہیں!

ہیں نادرست و غلط تیرے رشتہ و پیوند
سمجھ خلوص و محبت کو گرہے دانشمند

ہے تجھ سے قرب و تعلق فقط ترا اتنا
ہر اک نفس کو نفس سے ہے واسطا جتنا

ذرا سی بات یہ تیری سمجھ میں آ نہ سکی
ہیں مستعار و فنا سب تعلقِ ہستی
تو کیوں ہے؟ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کبھی یہ غور کیا
ہزار حیف کہ تو خود کو پا کے پا نہ سکا
ہیں تیرے بحث و مباحث بھی زندگی پہ بجا
مگر تُو آج تک اپنا سُراغ پا نہ سکا
ازل سے آج تک تجھ پر یہ بھید کھل نہ سکا
کہ تو "فنا و بقا سے ہے یا فنا و بقا"
تعلقات میں جبتک ہیں بعد و امتیازات
تعلقات ہیں میری نظر میں ننگِ حیات

"جنتِ فردوس!"

نظّارہ ساز تو اے لالہ رو ہے تو مجھے کیا
جہانِ زیر و بم میں تو ہی تو ہے تو مجھے کیا
نگاہوں کی اگر جنّت جو تو ہے تو مُجھے کیا
بلا سے تو بہشتِ رنگ و بُو ہے تو مجھے کیا

مجُھے تو غم کے انگاروں پہ چلنا ہے ابھی اور
دلِ شوریدہ کو کچھ دن تڑپنا ہے ابھی اور

تری مئے ریز اگر چشمِ حسیں ہے تو مجھے کیا
ترِی انوار پرور وہ جبیں ہے تو مجھے کیا
اگر تو جنتِ فردوسِ بریں ہے تو مجھے کیا
تری ہر اک ادا ناز آفریں ہے تو مجھے کیا

مجُھے تو خار زاروں کو کچلنا ہے ابھی اور
مجُھے برقِ حوادث سے اُلجھنا ہے ابھی اور

تکلّم گر ترا جادو بیاں ہے تو مجھے کیا
تصرّف میں ترے سارا جہاں ہے تو مجھے کیا
تبسّم گر ترا گوہر فشاں ہے تو مجھے کیا
جہاں پر تیرا لطفِ بیکراں ہے تو مجھے کیا
مجھے تو پیدا کرنا ہے جہانِ زندگی اور
بہم دل بستگی کے ساماں کرنے ہیں کوئی اور
نظر تیری تجلّی آشنا ہے تو مجھے کیا
لبِ لعلیں سے گر رنگیں فضا ہے تو مجھے کیا
بہارِ حسن گر تجھ پر فدا ہے تو مجھے کیا
تجھے سجدہ روا یا نا روا ہے تو مجھے کیا
بدلنی ہے مجھے تو اب سرشتِ آدمی اور
دلِ انساں میں پیدا کرنی ہے تابندگی اور

تو رعنائیِ قدرت کی ہنسی ہے تو مجھے کیا
بہارِ گلستاں کی زندگی ہے تو مجھے کیا
بہشتِ صبحِ گلشن کی پری ہے تو مجھے کیا
عروسِ خلد کی دوشیزگی ہے تو مجھے کیا

مجھے تو طالعِ خفتہ جگانا ہے ابھی اور
دلوں میں پیدا کرنی ہے ادائی دل کشی اور
جوانی تو شبِ مہتاب کی ہے تو مجھے کیا
دُرِّ شہوار برساتی رہی ہے تو مجھے کیا
قدم تیرے خدائی چومتی ہے تو مجھے کیا
مشامِ گل میں تیری بوبسی ہے تو مجھے کیا

جو تو چاہے ہو حاصل ساحلی کو سرخوشی اور
تو پیدا اپنے اندر کر فسونِ دل بری اور

"گردشوں کا بُخار!"

فلک پہ ششدر و حیراں ہیں نغمہائے سروش
مغنیانِ جہاں چپ، رُباب و چنگ خموش
سند ور کھائے ہوئے مطربانِ نغمہ فروش
یوں نغمہ بار ہے پھر آج میرا شیریں مقال

نظر فروز کہیں جلوہ ہائے حُسنِ بتاں
کہ ہر نظر میں ہے رقصاں تجلّیوں کا جہاں
یا آج پھر ہیں سرِ طُور جلوے رقص کناں
سما رہا ہے ان آنکھوں میں کس کا عکسِ جمال

نہیں ہے آج مجھے کچھ خیالِ سُود و زیاں
نہ فکرِ آشیاں مجھکو، نہ خوفِ برقِ تپاں
نہ ہونٹ ہیں مرے اب آشنائے آہ و فغاں
نہیں ہے آج شکیب و قرارِ دل کو خیال

سرود و کیف میں ڈوبا ہوا ہے سارا جہاں
ہے موجزن کہیں حُسن و شباب کا طوفاں
کہیں ہے ہوش رُبا، رخشِ سینۂ عُریاں
ہے آج دلکش و دلدوز زندگی کا مآل

(۲)

قیامت آفریں ہر سمت سینہ ہائے جواں
ہے کوئی پیکرِ تنویر، کوئی حورِ جناں
جدھر نگاہ اٹھاؤ بہشت زار سماں
کوئی بتاؤ کہ ایسے میں بچ کے جائے کہاں
پڑے ہیں نور کے جھولے فلک سے تا بہ زمیں
چھٹک رہے ہیں ہر اک سمت پردہ رنگیں
نکھارِ عذرا و سلمیٰ برس رہا ہے کہیں
گر آئے موت بھی ایسے میں تو وہ موت نہیں

ہے کوئی غنچہ دہن اور گلعذار کوئی
خود آپ اپنی حیا پر ہے شرم سار کوئی
ادائے حسن پہ شیدا کوئی نثار کوئی
کسی سے ملنے کو ایسے میں بے قرار کوئی

مسرتوں کے خزانے لٹا رہی ہے بہار
بہارِ رفتہ کو پھر ساتھ لا رہی ہے بہار
کہ آج دورِ خزاں میں بھی آرہی ہے بہار

چڑھا ہوا ہے زمانہ کی "گردشوں کا بخار"

ایک سانحہ

ناگہاں جب سے تری زیست کو صدمہ پہونچا
ہے اُسی دن سے ہی مجروح دو عالم کی فضا
چہرۂ زیست بھی اُس دن سے ہے اُترا اُترا
نظمِ عالم بھی نظر آتا ہے بکھرا بکھرا
عارضِ صُبح بھی اس دن سے ہے دُھندلا دھندلا
اور ہے شام کے چہرے پہ بھی غمناک رِدا
دیکھکر منظرِ خوں گشتہ ترے زخموں کا
دل تڑپتا ہوا آنکھوں سے لہو بنکے بہا
تیرے غم میں در و دیوار بھی رہتے ہیں نڈھال
گھر میں تجھ بن ہے سکوت آفریں سا اک بھونچال

گھر کے ہر فرد کا سُکھ چین ہے قرباں تجھ پر
یہ تو کچھ بھی نہیں، قرباں ہے دل وجاں تجھ پر

رو کشِ خُلد ترے دم سے جو تھا کاشانہ
غم کے اڑتے ہیں بگولے، ہے وہ اب ویرانہ

حرکتیں یاد تری آتی ہیں معصوم و شریر
آج تک جنکی نگاہوں میں ہے کھنچی تصویر

قید تو یوں ہے شفاخانہ میں کچھ دن کیلئے
جیسے آئی ہے خفا ہو کے یہاں ہم سب سے

ہے خدا سے یہ دعا اپنی، خدا گر ہے کہیں
جلد ہو تجھکو عطا جامِ شفاعت آگیں

مقامِ دوستی!

مقامِ دوستی اے دوست اسقدر ہے بُلند
کہ اس مقام پہ ملتا ہے آدمی کو خُدا
ہے لفظِ دوستی اپنی جگہ پہ "خوب" مگر
تری نگاہ نے جب بھی پڑھا غلط ہی پڑھا
ہے یہ محافظِ ایثار و حُبِّ انسانی
ابھی کر اور معیارِ نظر بُلند ذرا
اسی سے زندہ ہیں تیری شریعتیں اے دوست
یہ نکتہ وہ ہے جو تیری سمجھ میں آنہ سکا
ملا سبھی تجھے اغراض مندیوں کے طُفیل
نہیں ملا تو اک اعجازِ دوستی نہ ملا

"عید کب؟"

ہے عید کا آنا کہیں رنگیں ترانہ
رنگین ترانہ کہیں غمناک فسانہ
دن عید کا منعم کے لئے ہوگا سہانہ
لیکن ہے غریبوں کے لئے موت کا آنا

جب گردشِ تقدیر کے یہ طور رہیں گے
اے دوست بتا کیا اِسے ہم عید کہیں گے

کہتا ہے باآوازِ بلند آج زمانہ
مزدور کا دُنیا میں نہیں کوئی ٹھکانہ
دُنیا میں ہے منعم کے لئے ہنسنا ہنسانا
مُفلس کا مُقدر ہے فقط اشک بہانا

اس بات پہ قُدرت کو بھی مجبُور کریں گے
منعم کی خوشی چھین کے مزدور کو دیں گے

افلاس کا روندا ہوا بیواؤں کا سینا
اللہ قیامت ہے، قیامت ہی یہ جینا
جینے کا یہ جب تک ہی یتیموں کا قرینہ
گرداب میں ہے اپنے مُقدر کا سفینہ

جبتک کہ یہاں شاد ماں مُفلس نہ رہیں گے
ہم عید منائیں گے نہ ہم عید ملیں گے

ہو جائے گی جب ہند سے یہ فاقہ کشی دور
سردار گِنا جائے گا جب ہند کا مزدور
مختار لقب پائے گا جو آج ہے مجبور
پیروں سے کچل ڈالیں گے جب ہم سرِ مغرور

اس وقت بدل جائیں گے یوں زیست کے لمحات
نالوں کے عوض گائیں گے راحت بھرے نغمات!!

جب خُلد بداماں نظر آئیگا بیاباں
مل جائے گی ہر فرد کو تسکینِ دل و جاں
خود ہو گا ہمارے لئے جب وا، درِ زنداں
چھٹ جائیگا جب قید سے انسان کی انساں

ضوریز ستاروں کو بھی شرمائیں گے ہم تم
یوں چرخِ محبت پہ نظر آئیں گے ہم تم

جب ہر دلِ مجروح کا دل شاد رہے گا
جس وقت زمانہ ہمیں آزاد کہے گا
ظالم کا کوئی ظلم نہ دنیا میں سہیگا
جب دھارا محبّت کا ہر اک سمت بہیگا

تم سے ہم اسی وقت فقط عید ملیں گے
اُجڑی ہوئی سب جنتیں آباد کریں گے

تیسرا دور

"فیصلہ"

"اربابِ علم و فن پہ منحصر ہے ساحلی
میں فنِ شاعری میں کہاں تک ہوں کامیاب۔"


غزلیں!

"غمِ حیات!"

پھر وہی زندگی اُداس اُداس!
ٹوٹتا سا تسلسلِ انفاس
پھر وہی رنج و غم، ہجومِ یاس
پھر وہی دل میں شورشِ احساس
پھر وہی ہر قدم پہ ناکامی
پھر وہی ٹوٹتی ہوئی سی آس
پھر وہی غم کا دل پہ بارِ گراں
اُن کی دُوری کا پھر وہی احساس

پھر وہی سُونی سُونی بزمِ نشاط
دل پہ پھر حکمراں ہے خوف و ہراس

اک طرف سامنا مصائب کا
اک طرف ہے غمِ حیات کا پاس

کب ہے بدلا نظامِ بزمِ جہاں
ہے وہی جنگِ دولت و افلاس

یوُں تو دُنیا ہے ایک عکسِ بہشت
پر وفا کی نہیں ذرا بو باس

غم اُٹھانے کو میں ہی کیا کم ہوں
تم فسردہ ہو کیوں اُداس اُداس

یوں نہ ٹھکراتے تم مِرے دل کو
گر تمھیں ہوتا میرے دل کا پاس

ہیں وہی سازشیں زمانے کی؛
ساحلؔ کاش آ سکیں یہ راس

قطعہ

ہنسنا تو بہت دور ہے اب اے غمِ دوراں
رونا بھی اگر چاہیں تو ہم رو نہیں سکتے
بربادیٔ دل کا انھیں احساس جو ہوتا
وہ مجھکو کبھی پیار کے قابل نہ سمجھتے

ساحلؔ

رنج و ملال!

مجھ پہ ترا کرم نہیں، نہ سہی، اسکا غم نہیں
غم ہے اگر تو ہے یہی مجھ پہ ترا ستم نہیں
دَورِ کہن بدل گیا اسکا ہمیں الم نہیں
رنج و ملال ہے تو یہ بدلے جہاں میں ہم نہیں
اس دلِ ناشکیب کو ضبط و سکون کر عطا
ہے یہی آرزوئے دل، خواہشِ جامِ جم نہیں

کوئی بتا تو دے ہمیں جسکو نہ سہہ چکے ہوں ہم
عرصۂ روزگار میں ایسا کوئی ستم نہیں

کھا نہ سکیں گے مات ہم چاہے تو جتنا ظُلم کر
گردشِ ہفت آسماں یہ نہ سمجھ کہ دم نہیں

برقِ نظر سے آپکی دل ہے ہمارا شاد کام
خیر ہوئی کہ آپکی بزمِ طرب میں ہم نہیں

دم بھر کو ساحلی اگر آیا قرار بھی تو کیا
میرے لئے غمِ حیات غم ہی کسی کے کم نہیں

"معراجِ حیات"

کیا ضروری ہے میسّر ہو مسرّت دل کو
غم اٹھانے کی بھی کچھ چاہئے عادت دل کو

ہم تو سنتے تھے یہاں دل سی ہے راحت دل کو
ہے زمانے میں مگر دل سے عداوت دل کو

راس آ جائے تو مل جاتی ہے معراجِ حیات
ورنہ برباد ہی کرتی ہے محبّت دل کو

خوش رہوں یا کہ میں دن رات رہوں غرقِ الم
ہے ہر اک حال میں تیری ہی ضرورت دل کو

ہم سے تو ہو نہ سکا بند تڑپنا دل کا
آپ ہی کیجئے کچھ آ کے نصیحت دل کو

دیکھنا چاہیں تو ہم دیکھ نہیں سکتے انھیں
اُن کی، تصویر کشی کی ہے اجازت دل کو

ساحلی بارہا اس وقت لُٹی بزمِ سکوں
جب کبھی آئی نظر چاند سی صورت دل کو

"بھٹکے ہوئے راہی"

دُکھ، درد کے مارے ہیں، زمانے کے ستائے
ٹھکرائے ہوئے غم کے ہیں قسمت کے مٹائے
جینا ہو میّسر نہ جسے موت ہی آئے
وہ جائے تو دُنیا سے کہاں چھوڑ کے جائے
ہے کون جو کشتی کو کنارے سے لگائے
بھٹکے ہوئے راہی کو کوئی راہ دکھائے

ہر چند کوئی بات نہیں بنتی بنائے
یُوں بھی نہ بُرا وقت کسی پر کبھی آئے

بھُولے سے تجھے آ نہ سکی یاد ہماری
اک ہم کہ ترے غم کو ہیں سینے سے لگائے

دُنیا میں کہیں بھی تو کسے اپنا کہیں ہم
مُنہ پھیر کے بیٹھے ہیں آج سب اپنے پرائے

حالِ غمِ دل ساحلی جب پوچھا کسی نے
آنکھوں میں چھلکتے ہوئے کچھ اشک بھر آئے

"ادائے حسن!"

نکھرا نکھرا خمار آنکھوں میں
کھیلتی ہے بہار آنکھوں میں
اک لجاتی ہوئی ادائے حسن
ہے تری شرمدار آنکھوں میں

جس کو نظریں کسی کی چھو نہ سکیں
ہے چھپا ایسا پیار آنکھوں میں
کروٹیں لے رہے ہیں میخانے
مدبھری، کیف بار آنکھوں میں

مسکراتا ہے میرے دل کا سکوں
آپکی غمگسار آنکھوں میں

سمٹ آیا نظر میں کیفِ شباب
جس طرح انتظار آنکھوں میں

رات ہنستی ہے، یا کہ ہے کاجل
آپکی بادہ خوار آنکھوں میں

مل گیا ساحلی تیرے دل کو
عُمر بھر کا قرار آنکھوں میں

"برقِ نظر"

دردو غم سے جو آشنا ہوگا
بس وہی دل بھی کام کا ہوگا

جو رہِ عشق میں مٹا ہوگا
مرتبہ اُس کا جانے کیا ہوگا

تو جدھر سے گذر گیا ہوگا
اک محشر بپا ہُوا ہوگا

جس کی آنکھوں میں تو رہا ہوگا
نقشہ جنّت کا کھنچ گیا ہوگا

اُن کی برقِ نظر گری جس پر
جل کے وہ کیمیا ہوا ہوگا

جسکو حاصل ہے آج صبر و سکوں
پہلے وہ مضطرب رہا ہوگا

گو دیں اُن کی میرے مرنے پر
رشک خود موت نے کیا ہوگا

نہ ہو آسرا کسی کا جو!
بس وہی میرا آسرا ہوگا

جس کو در سے اٹھا دیا تو نے
جا کے پھر وہ کہاں رہا ہوگا

ساحلی سُن کے نالۂ شب گیر!
آسماں خود بھی رو دیا ہوگا!!

"پھر کیا کیجیے؟"

ہاں زبوں حالی پہ میری مسکرایا کیجیے
مسکرایا کیجیے، بجلی گرایا کیجیے

آزمائش ہے محبت کی تو ایسا کیجیے
اپنے دل میں میرے دل کا درد پیدا کیجیے

داستانِ زندگی دلکش سہی لیکن ندیم
بات جب کوئی نہ بنتی ہو تو پھر کیا کیجیے

کیا اسی قابل تھے ہم اے کاتبِ روزِ ازل
زندگی پا کر غم و حرماں سے کھیلا کیجیے

اپنے دل پر ہی نہیں ہے جب مکمل اعتبار
اور پھر کس پر زمانے میں بھروسا کیجیے

فرصتوں کا خون ہے یہ خون اے نغمہ نواز
نغمہ مقصد ہے تو دل سے نغمہ پیرا کیجئے

زندگانی رونقِ دُنیا کی ہو جب اک دن
دل کو پھر کیوں رونقِ بازارِ دُنیا کیجئے

زلف سی شانہ کو الجھانا نہیں کوئی کمال
بات جب ہے زلفِ گیتی کو سنوارا کیجئے

رنج و غم کا نام کس نے رکھدیا ہے زندگی
کیا کریں گے جی کے مرجانا گوارا کیجئے

غم اگر ہے زندگانی میں بعنوانِ نشاط
کیوں نہ پھر اندوہِ پیہم کی تمنا کیجئے

وہ نہ آئیں گے نہ آنا ہے انہیں اے ساحلی
لاکھ اُن کی راہ میں آنکھیں بچھایا کیجئے

"تلاشِ راحت"

ہے تلاشِ راحتِ دل جستجوئے غم بھی ہے
زندگانی میں شریکِ حال یہ عالم بھی ہے

وہ وفاؤں پہ مری خوش بھی ہے اور برہم بھی ہے
دشمنِ جاں بھی ہے یعنی وہ مرا ہمدم بھی ہے

اک وہ عالم بھی تھا، تم جان و دل سے تھے نثار
یاد تک کرتے نہیں اب ایک یہ عالم بھی ہے

کس لئے آنکھیں ہیں نم آلود، کیوں ہے دل اداس
زینتِ دل تو بھی ہے، تیرا غمِ پیہم بھی ہے

ہے تبسّم آپ کا معصوم کلیوں کی ہنسی
اسمیں پنہاں لوگ کہتے ہیں کہ رنگِ غم نہیں

شامِ غم ٹپکا جو تیری یاد میں اشکِ لطیف
گرمیٔ شعلہ بھی ہے وہ نرمیٔ شبنم بھی ہے

دے نگاہِ ناز کو پھر زحمتِ لطف و کرم
تیرگی بھی ہے، نظامِ زندگی برہم بھی ہے

جگمگا اٹھی ہیں میری آج غمگیں خلوتیں
جلوہ آرا تم بھی ہو اور بزمِ جامِ جم بھی ہے

محوِ آرائش اُسے اے ساحلی دیکھا ہے آج
حُسنِ عالم بھی ہے وہ رنگینیٔ عالم بھی ہے

"تمہارا خیال"

دل ہے اک اور ہیں ہزاروں غم
بزمِ دل ہو نہ کس لئے برہم
دردِ دل جب کبھی ہوا ہے کم
پیدا ہوتا ہے کوئی تازہ غم
اب نہ یاد اُن کی، انتظار اُن کا
اپنی کتنی کٹھن ہے شامِ غم
اک طرف تم ہو اور تمہارا خیال
اک طرف ہیں حوادثِ پیہم

تُم نہیں آؤ گے تو پھر تم بن
کیسے طے ہو گی شاہراہِ غم
کوئی ہمدم نہ ہمنوا اپنا!
کس سے رکھیں امیدِ دادِ غم
بارِ احساں بھی اُٹھ نہیں سکتا
ہم سے اب تو کسی کا اے ہمدم

وہ نہیں ہیں تو سا حلی اُن بِن
کچھ نہیں بزمِ شادی و ماتم

"داغِ دل"

تم آؤ تو ہم حالِ دل بھی سنائیں
تمھیں داغِ دل بھی ہم اپنے دکھائیں
جُدائی کی گھڑیاں گذرتی ہیں کیونکر
یہ دلچسپ قصہ بھی تُم کو سُنائیں
اُنھیں آج کچھ رحم آجائے شاید؟
مُقدّر کو اک بار پھر آزمائیں

جہاں عمر بھر ہم نے کھائے ہیں دھوکے
فریبِ حسیں ایک اُن سے بھی کھائیں

سمجھنا ہے جن کو مرا دردِ دل وہ
نئے سر سے دل کو تڑپنا سکھائیں

ہے یہ ایک جینے کا بہتر طریقہ
اٹھائیں غمِ دہر اور بھول جائیں

جنھیں آرزو سا حلی ہے خوشی کی!
وہ آدابِ غم پہلے دل کو سکھائیں

تمہاری یاد

اب ستاتی ہے یوں تمہاری یاد
دل کبھی شاد ہے کبھی ناشاد!
اک نہ اک روز ہے نئی افتاد
اے غمِ دل خدارا کر امداد
تم ہو جس دل میں اور تمہاری یاد
کر رہے ہو اسی کو تم برباد

دردِ اُلفت ہے تجھ کو میری قسم
دیکھنا ہو نہ جائے ـــــ دل آباد
سانس تک بھی نہ ساتھ دے جسکا
وہ کرے بھی تو کیا کرے فریاد
ہو ہی جائیں گی مشکلیں آساں
گر ہوں پھر آپ مائلِ بیداد

ساحلی رہئے گوش بر آواز
دیکھئے کیا کریں گے وہ ارشاد

"پروازِ تخیّل"

وہ پروازِ تخیّل پائی ہے میں نے
تری رُوح تک گدگدائی ہے میں نے
گر اشکوں کی قیمت گرائی ہے میں نے
ستاروں کی جودت بڑھائی ہے میں نے

لٹا کر متاعِ سکوں مطمئن ہوں
محبّت کی دنیا بسائی ہے میں نے

اگرچہ ترے در پہ ہوں سر بسجدہ
ترے در کی قسمت جگائی ہے میں نے

نگاہیں اٹھی ہیں اسی سمت سب کی!
نظر جس طرف بھی اٹھائی ہے میں نے

بصد ناز آ بھی خراماں خراماں
بہت وسعتِ دل بڑھائی ہے میں نے

نہ ہو گا یہ مجھ سے کہ تجھ کو بھلا دوں
مقدّس قسم تیری کھائی ہے میں نے

کبھی دعوتِ درد و غم دے کے دل کو
غمِ دل کی لذّت اٹھائی ہے میں نے

ترے مُصحفِ رُخ سے پردہ اٹھا کر
نگاہوں کی جراءت بڑھائی ہے میں نے

مرا حُسنِ عزم و عمل، اللہ اللہ!
جبینِ فلک سر جھکائی ہے میں نے

میں تڑپا کیا ساحلی گرشبِ غم
شبِ غم کی رونق بڑھائی ہے میں نے

"ستم شعار"

طے کر چکا ہوں زیست کے ایسے بھی مرحلے
چرخِ ستم شعار سے جو طے نہ ہو سکے
ہر نقشِ قدم پر نئی جنّت نظر آئی
ہم جتنی بار گزرے تری راہگذر سے
شاید کہیں نقاب کشا ہو گیا کوئی
ہیں آج مہر و ماہ و ستارے بجھے بجھے!

جب تُم ہی پھیر لو نگہِ التفات کو
ایسے میں کوئی بات بنے بھی تو کیا بنے
پاتے ہیں ہر گھڑی انھیں دل کے قریب تر
پھر بھی تصورات میں اُن کو نہ لا سکے
مُجھ غم نصیب کو کر اک ایسا بھی غم عطا
ہر گوشۂ خیال و نظر جگمگا اُٹھے
کُل کائناتِ آرزو کر دے سپُردِ غم
شاید سکونِ قلب اسی طرح کچھ ملے
کیا غیر سے امیدِ وفا رکھیں ساحلی
جب اپنے ہو کے آپ ہمارے نہ بن سکے

"پہلو نشیں!"

جب اپنے آپ کو اندوہگیں سمجھتا ہوں
تو زندگی کو نشاط آفریں سمجھتا ہوں
تجھے میں حاصلِ خُلدِ بریں سمجھتا ہوں
تصوّرات سے بڑھکر حسیں سمجھتا ہوں
جب اُن کی یاد کو پہلو نشیں سمجھتا ہوں
غمِ حیات کو راحت گزیں سمجھتا ہوں
جسے تو اپنی نظر میں زمیں سمجھتا ہے!
اُسے میں غیرتِ عرشِ بریں سمجھتا ہوں

نگاہِ حُسن کی گردش، ارے معاذاللہ
زمین و آسماں وجد آفریں سمجھتا ہوں

ہر ایک بات پر اُن زباں پہ میرے لئے
نہیں، نہیں ہے مگر پھر نہیں سمجھتا ہوں

یہ مہر و ماہ ہیں کیا اور کہکشاں کیا ہے؟
انھیں بھی اک ترا عکسِ جبیں سمجھتا ہوں

سمجھ رہے ہیں مجھے آپ جسقدر اچھّا
میں اپنے آپ کو اتنا نہیں سمجھتا ہوں

سمجھ رہے ہو تُم اپنے کو آپ جتنا دُور
میں اُتنا ہی تمھیں اپنے قریں سمجھتا ہوں

نہ جس میں گردشِ دوراں کی کوئی سازش ہو
میں ایسے غم کو کبھی غم نہیں سمجھتا ہوں!

تُو جس کو ساحلی کہتا ہے نظرِ زُہد شکن
اِسی نظر کو میں دل کی امیں سمجھتا ہوں

"تخیلات!"

زُلف رُخ پر مچل گئی ہو گی!
دن میں اک رات ڈھل گئی ہوگی

جوش کیوں سرد پڑ گیا دل کا
حسرتِ دل نکل گئی ہو گی

وُہ جدھر سے گذر گئے ہوں گے
رُت خزاں میں بدل گئی ہو گی

پھر لبوں پر ہنسی نہیں بکھری
چاند تاروں میں ڈھل گئی ہو گی

اب نہیں آتی دُکھ بھری آواز
زندگی میں بدل گئی ہو گی

چھائی ہو گی جوانی جب اُن پر
فصلِ گُل بھی اچھل گئی ہو گی

ساحلی دل کی دیکھ کے جرأت
غم کی چھاتی دہل گئی ہو گی

"بھئیں کہدو"

بھلا یوں بھی کوئی بیداد کرتا ہے بھئیں کہدو
ستم بھی ڈھا رہے ہو مجھ پہ اور مجھ ہی سے شاکی ہو
کبھی دردِ محبت سے شناسا بھی کیا دل کو
مزا آتا ہے کیا یہ آگ بھی دل میں لگا دیکھو

کبھی حالِ غمِ دل جیتے جی پوچھا نہیں تم نے
دمِ آخر ہے اب آکر سلامِ آخری لے لو

تمھیں سہنا پڑیں گر انتظار و یاس کی گھڑیاں
نظر آئے گی مشکل موت سے بھی زندگی تم کو

جو خود انسان بن کر بھی نہ اب تک بن سکا انساں
وہ کیا سمجھے وہ کیا جانے مقامِ آدمیّت کو

خدنگِ ناز بیٹھا ہے تمہارا اسطرح دل میں
غرض بیٹھو کسی پہلو قرار آتا نہیں دل کو

اگر محسوس کر تو تلخیاں تم بھی مرے غم کی
نہ پھر بیدرد بن کے دل کی شہیاروں سے تم کھیلو

فلک بھی مہرباں ہے موسمِ گل بھی ہے مئے بھی ہے
ذرا تم بھی بدل دو اپنی شانِ خود نمائی کو

بھلانا تم جواب چاہو بھلا سکتے نہیں دل سے
کہیں دل سے ہوئی بھی ہے جُدا دھڑکن ذرا سوچو

ہمیں دردآشنا جو بھی ملا قسمت سے اُس نے بھی
مزاجِ درد کو سمجھا نہ منشائے غمِ دل کو

ہے دھوکا ساحلی جن کی نگاہِ ملتفت میں بھی
امیدِ لطف پھر اُن سے کسی کو ہو تو کیونکر ہو

"محفلِ جاناں"

بدلتا کیوں نہ عالم بے بسی کا
ترا آنا ہوا، آنا خوشی کا!
نہ پوچھو کیا ہے عالم زندگی کا
جو منظر ہے وہ ہے کاہیدگی کا

ستارہ جب چمکتا ہے کسی کا
زمانہ ساتھ دیتا ہے اسی کا

بجا اگر موت بھی چلتی ہے دامن
نہیں بگڑی ہیں کوئی بھی کسی کا

مجسّم اضطراب و درد تو ہوں!
ہے منشا، اور اب کیا بے کلی کا

ہنسے اک بار اگر سو بار روئے
نہ سمجھے راز اب تک ہم ہنسی کا

ہمیں یہ کیا ہوا بیٹھے بٹھائے
ہوا پیدا جو شوق آوارگی کا

ادھر ہے حُسنِ سامانِ تعیش!
اور اسی پر اُن کا دعویٰ عاشقی کا

یہ ممکن ہے کہ تم کو بھول جاؤں؟
تمھیں تو ہو سہارا زندگی کا؟

نہیں دیتے ہیں ساتھ اپنے قدم تک
یہ عالم ہے ہماری بے بسی کا!

نکلتے ہیں وہ اب تو بن سنور کر
ہوا دلدادہ میں کیوں سادگی کا

اگر ہو آدمی بیگانۂ غم!
ہے پھر دشوار جینا آدمی کا

ہزاروں انقلاب آئے گئے بھی
نہ بدلا رُخ اُنھوں نے بے رخی کا

ہے جب ہر وقت ہی پہلو نشیں غم
سبب پھر کیا ہے میری بے کلی کا

ستم پر ہیں وہ پھر آمادہ اے دل
مُبارک! آیا پھر موقع خوشی کا

بپاکر انقلاب ہنگامہ آرا
نہیں ہے وقت اب کچھ خامشی کا

انہیں سے کیوں توقّع ہو وفا کی
زمانہ ہی نہیں جب آشتی کا

ہے جلوہ آرا محفل آپ ہی سے
ہے جلوہ جو یہاں ہو آپ ہی کا

بجز "تیرے" ہے کون ایسا کون جہاں میں
ہو سر خم جس کے آگے سا حلی کا

"ضبطِ غم"

تھام کر دل محفلِ جاناں میں جانا چاہیے
غیر جب چھیڑے لگائیں مسکرانا چاہیے

اے ستمگر اضطرابِ دل ہوا جاتا ہے کم
از سرِ نو نشترِ غم پھر چبھانا چاہیے

بے نیازِ غم اگر انساں ہو مٹ جاتا ہے غم
حادثاتِ زندگی پر مسکرانا چاہیے

بے سبب آپسمیں ہے رنج و کدورت آجکل
آدمی کو آدمی کے کام آنا چاہیئے

بخت جب بگڑا ہوا ہو اور دنیا ہو خلاف
ضبطِ غم لازم ہے اُسپر مسکرانا چاہیئے

غم تو یہ ہے، غم کی صُورت غم میسّر ہی نہیں
ورنہ غم سے کائناتِ دل بسانا چاہیئے

آ نہ جائے فرق اُلفت میں کہیں اے ساحلی
بے تحاشا یوں نہ اشکِ خوں بہانا چاہیئے

"حسنِ خیال"

ہے تمنّا یہ آخری دل کی
ہو نہ تڑپ میں نہ کچھ کمی دل کی

تم جو آجاؤ مسکراتے ہوئے
پھول بن جائے ہر کلی دل کی

اُن کے حُسنِ خیال کے قرباں
بزمِ غم جگمگا اٹھی دل کی

جب کبھی تم نے پیار سے دیکھا
مٹ گئیں کلفتیں سبھی دل کی

ہے وہی جستجوئے رنج و طرب
ریت بدلی نہیں کوئی دل کی

غرق ہیں ان کی چشمِ میگوں میں!
پیاس پھر بھی نہ بجھ سکی دل کی

جسمیں وہ کروٹیں نہ لیتے ہوں
ایسی دھڑکن ہے کون سی دل کی

یاد یوں آئی آپ کی دل میں
کھوئی شے جیسے مل گئی دل کی

ساحلی ان کی یاد و غم کے بغیر
بے سہارا ہے زندگی دل کی!

او مستِ شباب!

نگاہ کانپ اٹھی، دل بھی کر اٹھا دھک دھک
ترے شباب کا پر تو ہے بجلیوں کی چمک

ضیائے مہر و مہ و کہکشاں کی زیست ہو وہ
جو تیرے حُسنِ تجمّل کی ہو حقیر چمک

قدم سنبھل کے اُٹھا تو ارے او مستِ شباب
ترے شباب کا ساغر کہیں نہ جائے چھلک

مری نظر میں جو ہے موجِ بادۂ رنگیں!
تمہارے عارضِ گلگوں کی ہے وہ ایک جھلک

مری نگاہ کو پھر شرمسار کر اک بار
نقاب اُٹھا کے پھر آ سامنے رہے نہ جھجک

ہو چاندنی یا شبِ تار کی جوانی ہو!
کسی کے گیسوئے تاباں کی سانولی ہو چمک

"خوابِ حسیں!"

اُن کا حُسنِ و جمال بھی کیا ہے
چاند کیا شے ہے چاندنی کیا ہے

رنج کیا ہے مرا خوشی کیا ہے
آپ کا لُطف و بے رُخی کیا ہے

حُسن اور اس پہ سادگی کیا ہے
لبِ خاموش پہ ہنسی کیا ہے

منتشر ہے کسی کا خوابِ حسیں!
شب کو تاروں کی روشنی کیا ہے!

ان سنا گیت ہے محبّت کا
تیرے ہونٹوں پہ خامشی کیا ہے

ہیں بغلگیر آج شام و سحر
رُخ پہ زلفوں کی برہمی کیا ہے

ہے یہ صورت بھی حاصلِ قربت
اُن کی ہم سے کشیدگی کیا ہے

دُشمنی کا فسانۂ ـــــــــ رنگیں
آج کل رسمِ دوستی کیا ہے

روپ عصمت مآب حوروں کا
آپ کا جسمِ شبنمی کیا ہے

تاب کیا لائے تیرے جلوؤں کی
میرے دل کی بساط ہی کیا ہے

دونوں افسانہ ہائے بے بنیاد
زندگی میں غم و خوشی کیا ہے

بے سبب ہے اگر تڑپ دل کی!
پھر سوا اسکے زندگی کیا ہے!

ہے کسی کا یہ خاص حُسنِ کرم!
ورنہ میں کیا ہوں شاعری کیا ہے!

کل جو انساں تھا ساحلی وہ آج
ایک فتنہ ہے آدمی کیا ہے!

"خوفِ شکست"

خوفِ شکستِ ایماں و توبہ نہیں رہا
مجھکو جنونِ مستی و صہبا نہیں رہا

کعبہ و بتکدہ و کلیسا نہیں رہا
یا میرا سر ہی قابلِ سجدہ نہیں رہا

شغلِ شراب و ساغر و مینا نہیں رہا
بر وارِ خمستان کا تقاضا نہیں رہا

ذوقِ نظارۂ لالہ نہیں رہا
اب میرا شیوۂ غم و نالہ نہیں رہا

اب چشمِ دید محوِ نظارہ نہیں رہی
یا سلسلۂ بام و دریچہ نہیں رہا

میرے قریں نہ چھیڑ اے مطربِ رباب و چنگ
پہلا سا دل وہ دل کا تقاضا نہیں رہا

کوئی اسیرِ حلقۂ کاکل ہوا کرے
اب حسن و عشق کا مجھے سودا نہیں رہا

تھی قدرِ شیخ و برہمن وہ دور اور تھا
اب شیخ و برہمن کا زمانہ نہیں رہا

پروانہ و شمع بھی جلیں انجمن میں کیوں؟
جب ذکرِ بُلبُل و گل و غنچہ نہیں رہا

تیری ادا ہی میں نہ کوئی دل کشی رہی
کب میں تری اداؤں پہ شیدا نہیں رہا

مجھ میں بھی عیب سیکڑوں دینے دکھائی آج
اچھا ہوا کہ میں کبھی اچھا نہیں رہا

اب کچھ دنوں سے ساحلی وردِ زبانِ دل
کیوں قصّہ زلیخا و لیلےٰ نہیں رہا

"خدا جانے کیوں؟"

دل نشین و کیف زا یادوں سے دل اُکتا گیا
چاندنی راتوں سے برساتوں سے دل اُکتا گیا

جنتِ تسکینِ جاں آہوں سے دل اُکتا گیا
اب نہ جانے کیوں اِن احبابوں سے دل اُکتا گیا

بعد دلجوئی عطا ہو جن سے دلکو درد و غم
ایسے غمخواروں سے ہمدردوں سے دل اُکتا گیا

ہو جہانِ شور و شر یا ہو جہانِ عافیت
کیوں خدا جانے اب اِن دونوں سے دل اُکتا گیا

حاصلِ ارزانیٔ عیش و طرب ہو کیوں نصیب
جھوٹی امیّدوں سے تسکینوں سے دل اُکتا گیا!

اب حیات و موت کے جھگڑوں میں کیوں الجھا رہوں
خار زاروں سے چمن زاروں سے دل اُکتا گیا

تھی وفا کوشی پہ جنکی کائنات دل نثار
کیونکر اُنکے معتبر وعدوں سے دل اُکتا گیا

پہلے خوشیوں کی تمنّا تھی مگر کچھ دن سے اب
بات کیا ہے جانے کیوں خوشیوں سے دل اُکتا گیا۔

سہتے سہتے درد و غم کی سختیاں اے ساحلیؔ !
اُلٹی سیدھی عشق کی رسموں سے دل اُکتا گیا!

"نوازشیں!"

مُفت میں زندگی گنوا دی ہے
مُستقل غم ہے اور نہ شادی ہے

حسرتِ دل ہر اک مٹا دی ہے
زندگی تلخ تر بنا دی ہے

اُس نے رُخ سے نقاب اُٹھا دی ہے
زندگی ساری جگمگا دی ہے

لذّتِ دردِ دل مٹا دی ہے
دل میں اک آگ سی لگا دی ہے

لُطف تو اُن کا عام ہے لیکن ؛
غم اٹھانے کا دل ہی عادی ہے

بیٹھ کر عرش کی بُلندی پر
تو کہاں ہے تجھے صدا دی ہے

ہم نے چھیڑا ہے سازِ دل جب بھی
گردشِ دوراں گنگنا دی ہے

اسکی پیہم نوازشیں مت پوچھ
غم جُدا اور خوشی جُدا دی ہے

اُن کی آمد پہ ساحلی ہم نے
ہر قدم پر نظر بچھا دی ہے

دلِ غمزدہ

نہ مجھ پہ کرم ہے نہ بیداد ہے
نہ جانے خُدا پھر بھی کیوں یاد ہے
یہ کیسی تری مجھ پہ بیداد ہے
نہ آباد ہے دل نہ برباد ہے
تری یاد بھی کیا حسیں یاد ہے
دلِ غمزدہ غم سے آزاد ہے

مسرّت تری ملکیّت ہے نہ غم
یہ جو کچھ بھی ہے سب خُدا داد ہے
سہے جا رہا ہوں ستم پر ستم
نہ آہ و فغاں ہے نہ فریاد ہے
نہیں ہے کسی کو بقائے دوام
مگر غیر فانی تری یاد ہے
ستم بن کے برسے تھے جب دل پہ تم
ہمیں دن وہ اچھّی طرح یاد ہے

یہ کیا کہہ رہے ہو تم اے ساحلی!
وہ انساں نہیں ہے پری زاد ہے

آخری دور!

"حقیقت!"

بچپن، بلکتے اور سسکتے ہوئے شباب
دم توڑتے بڑھاپے مری شاعری میں ہیں

فاقوں سے کچھ نڈھال ہیں، عشرت زدہ ہیں کچھ
پھر بھی نہ جانے اہلِ وطن کیوں خوشی میں ہیں

"ارتھی اور جنازہ"

خرد کہتی ہے اُٹھ سوئے عمل چل
جنوں کہتا ہے چل دشت و جبل چل
کہا فطرت نے آ کر یہ خرد سے
ترے ہر کام کو کرتی ہوں بے بل

اِدھر آ کر جنوں سے کہہ دیا یوں
خرد پینے کو آتی ہے ترا خوں
جنوں میں اور خرد میں ٹھن گئی پھر
ہوا جاری اِدھر خوں اور اُدھر خوں

ہیں بس یوں ہند میں برباد ہندی
نہیں ہو سکتے یوں آزاد ہندی

نہ جبتک انکے دل سے دل ملیں گے
رہیں گے بس یونہی برباد ہندی

مگر یہ پڑ گئی ہے ہم کو عادت
کہ ہم رکھتے ہیں اپنوں سے عداوت

جو خانہ جنگیاں رہتی ہیں ہم میں
سمجھتے ہیں انھیں فخرِ سیاست

یوں اپنی کر رہے ہیں طاقتیں کم
ذرا ہوتا نہیں اس پر ہمیں غم

خزانے بھر رہے ہیں دوسروں کے
لٹائے جا رہے ہیں دولتیں ہم

کچھ ایسا گایا ہم نے نغمۂ غم
ہوئیں خونریزیاں آپس میں باہم

اٹھی ارتھی پہ ارتھی اور جنازے
ہوا گھر گھر بپا کہرام و ماتم

تماشا بھی تماشائی بھی ہیں ہم
ہیں خود سودا بھی سودائی بھی ہیں ہم

بھلی باتیں ہیں ہم میں یہ نہ سمجھو!
بُری باتوں کے شیدائی بھی ہیں ہم

اِدھر فاقہ کشی سے تنگ ہم ہیں
اُدھر اغیار کے ظلم و ستم ہیں

اشارے پہ ہر اک اغیار کے خود
جو کٹ مرتے ہیں آپس میں وہ ہم ہیں

ہمیں تھے پہلے فخرِ آدمیت
تھا لرزاں ہم سے میدانِ شجاعت

مگر ہیں آج یوں بد نام ہم تم
کہ ہم تم ہیں جہاں میں ننگِ ہمّت

سراسر بزدلی ہے بزُدلی یہ
لڑیں آپس میں ہے کم ہمتی یہ

کریں گر ساحلی ہم غور اس پر
ہے کتنی بے بسی کی زندگی یہ

مہنگائی

خوشا اوج پر ہے فسونِ سیاست
بہر سمت جاری ہوا سیلِ غارت
سنا ہے کہ بیدار ہیں علم و حکمت
ہر اک ساعتِ زندگی ہے قیامت

مگر یہ بھی ہے اک مُسلّم حقیقت
ہیں مزدور و دہقاں شکارِ فلاکت
جنھیں کہئے پروردگارِ حکومت
نہ سمجھا کوئی آج تک اُن کی عظمت

کی ہرچند انھوں نے زمانے کی خدمت
نہ سمجھی زمانے نے کچھ اُن کی وقعت
خفا اُن سے اب تک رہی انکی قسمت
انھیں بھول بیٹھی ہے شاید مشیّت

نہ گذرا سروں سے کبھی ابرِ رحمت
رہا ان پہ نازل عتابِ شقاوت
خلوص و محبُّت ہے ان میں صداقت
انھیں کی بدولت ہے زندہ شرافت

انھوں نے ہی دی تاجِ شاہی کو عزّت
انھوں نے ہی گاڑے ہیں پائے حکومت

یہ نکتہ نہ سمجھے مگر اہلِ دولت
انھوں نے ہی بخشی ہمیں بزمِ عشرت
انھیں نے دکھائیں ترقی کی راہیں
انھیں پہ تو ہے منحصر فتح و نصرت

یہ ہیں وہ وطن پہ جو ہوتے ہیں قرباں
یہی ہیں فدایانِ اقوام و ملّت
یہ ناچا کئے جس طرح بھی نچایا
نہ سمجھے تھے اب تک فریبِ سیاست

مگر آج ہشیار و بیدار ہیں یہ
نہ سمجھے تھے یہ آج تک اپنی قیمت

ہیں افلاس و نکبت کی ان پر صعوبت
نہیں گر میسر انھیں چین و راحت
انھیں کب روا ہے کسی کی اعانت
ہیں یہ ظرفِ عالی، ہیں یہ عالی ہمّت

یہ ابنِ بغاوت ہیں فرزندِ جرأت
یہ طوفاں صفت ہیں، یہ دیوِ ہلاکت
یہی ہوں گے اک دن منظم صف آرا
کریں گے یہ مسمار قصرِ امارت

یہ فولاد و آہن میں ڈھالے گئے ہیں
ہے برق و حوادث کو اُن سے ارادت

یہی ٹکڑیں لیں گے کوہ و دمن سے
ہلا دیں گے اک دن یہ پائے حکومت
سہل ہے انھیں اس کو برباد کرنا
جو آباد کی ہے امیروں کی جنّت

خدا کو بھی حرکت میں لائیں گے اک دن
کریں گے بپا ہر طرف یہ قیامت
کریں فخر خود پر یہ جتنا بجا ہے
انھیں کے لہو سے چمن کی ہے زینت

اٹھیں گے بپھرتے ہوئے مثلِ طوفاں
کسی رہنما کی نہیں اُن کو حاجت

جو ٹھانی ہے دل میں وہ کر کے رہیں گے
یہ شیروں سے لیں گے خراجِ شجاعت
یہ ہنگامۂ خیر و شر کے خدا ہیں!
انھیں کے ہے دم سے سکون و مسرّت

(۳)

مٹیں گے تو آزاد ہو کے مٹیں گے
جئیں گے تو آزاد ہو کے جئیں گے
کہو غاصبوں سے، کہو منعموں سے
کہ مانگیں بنائیں ان ہمّت وروں سے
ہنگامہ ورنہ اٹھاتے رہیں گے
ستونِ حکومت ہلاتے رہیں گے
بجا لائیں آدابِ مزدور — آؤ!
حکومت کے مجبور و بےبس خداؤ!

"مادرِ ہند"

یاد ہو گا تجھ کو شاید آسماں
میرے تخت و تاج کا عہدِ جواں
شیر دل فرزند تھے میرے کبھی
کانپتا تھا جن سے جاہِ قیصری
تھیں نہ بزدل بیٹیاں بھی کچھ مری
ٹھوکروں میں جنکی تھا تاجِ شہی
یوں تو میرا نام ہے ارضی بہشت
ہے مری بے حد حسیں ہر سرگذشت

آہ! لیکن پھر بھی میں بد نام ہوں
غیر کے در پہ ہے میرا سرنگوں

اسقدر برباد ہوں حالِ زبوں
پی رہی ہے ساری دُنیا میرا خُوں
نام کے فرزند ہیں اب سب یہاں
درد میرا ان کے دل میں ہے کہاں

باہمی دست و گریباں ہیں یہ آج
کھا رہا ہے ان کو دیو سامراج
آج میری سرزمیں ناپاک ہے
دامنِ غیرت مرا صد چاک ہے

زلزلو آؤ! نگل جاؤ مجھے!
آؤ! سیلابو ہٹا ڈالو مجھے

ہاں اِدھر ہفت آسماں کی بجلیو!
مجھ فسردہ دل کے سر پر گر پڑو
برق بنکر مجھ پہ کوندو، رحمتو!
پھونکدو بزمِ نشاط و عیش کو

دَندناتے انقلابو! زلزلو!
میرے رُخ پر موت کا غازہ ملو
ہو کہاں دہشت اثر اے ظلمتو!
مجھ سے میرا بختِ خفتہ چھین لو!

چھپ کے بیٹھے ہو کہاں ای حادثو!
او دہکتے دوزخوں کے وارثو!

قہر پرور قوّتو آگے بڑھو —!
مجھ سے سازِ زندگانی چھین لو!
اے مقدّس آسمانی دیوتو
خوں فشانی، شعلہ افشانی کرو

آتشیں نغمات چھیڑو بلبلو
آگ اب اُگلو دہن سے اے گلو
ڈال کر ناپاک چیتون مہوشو
مجھ کو استغنا سے ٹھکراتے چلو

میری بربادئ دل کی آگ کو
دو ہوا رنگین و زرّیں آنچلو!

مُجھ پہ برسو اژدروں کی بارشو!
اور کچلو مجھکو اور برباد دیو!
معصیت خانوں کی اے بد مستیو!
مجھکو اپنے دورِ خوں میں جھونک دو

گر پڑو دیوارِ کاخِ منعمو!
جام و مینا عشرتوں کے توڑ دو
فاقہ مستوں، بے بسوں کی سرزمیں
بزدلوں کی بے حسوں کی سرزمیں

شرم کیا تجھ کو بھی کچھ آتی نہیں؟
کس لئے ان کو نگل جاتی نہیں؟

نان وا شتہا

"ایک دوست سے"

نان ہی سے ہے شعورِ ارتقائے زندگی
زندگانی کی رگوں میں دوڑتی ہے نان ہی
نان کی تابندگی سے عقل پاتی ہے جلا
نان ہی سے ذرّہ و شبنم کو ملتی ہے ضیا
نان ہی سے قلب میں ہے مشعلِ ایماں کی ضو
نان سے ملتا ہے کیفِ آگہی انساں کو
نان ہی سے موت بنتی ہے حیاتِ جاوداں!
زندگی کو بخشتی ہے نان ہی تاب و تواں

نان ہی دیتی ہے دعوتِ ظلم و اکراہ کی
نان ہی دیتی ہے درسِ خود سری و سرکشی

اشتہا بیدار کرتی ہے اک ایسا انقلاب
سر در پڑ جاتا ہے جسکے سامنے شاہی عتاب

اشتہا کے سامنے سنگیں چٹانیں سرنگوں
توڑتی ہے اشتہا جبرِ مشیّت کا فسوں
اشتہا کرتی ہے کسبِ خوں رگِ فولاد سے
کھیلتی ہے اشتہا طوفان و برق و باد سے

اشتہا کرتی ہے خارستاں سے پیدا خُلد زار
اشتہا خونِ خزاں سے سینچ سکتی ہے بہار

اشتہا کرتی ہے دامن گردشوں کا تار تار
اشتہا کرتی ہے عزمِ مضمحل کو استوار
آگ پی کر اشتہا ہوتی ہے سرگرمِ عمل!
زلزلوں کو اور طوفانوں کو جاتی ہے نگل!

گر نہیں تیری نظر میں اہمیت کچھ بھوک کی
زندگانی پھینک دینا کیوں نہیں بخشی ہوئی
گر نہیں تیرا رہینِ نان یہ کیفِ شباب
چھوڑ دے روٹی سے کر نا زندگی کا اکتساب

اللہ اللہ یہ جمودِ بیکراں اور کسل و خواب
کر نہیں سکتی ترہی آواز پیدا انقلاب!

"حق شناسی"

ہے چٹکیوں میں وبا تیری تُندخو طوفاں
ہے مٹھیوں میں تری بند گردشِ دوراں
ہے ٹھوکروں میں تری راز زلزلوں کا نہاں
ہے چتونوں میں تڑپتی ہوئی سی برقِ تپاں

گرج سے تیری دہل جاتا ہی دلِ یزداں
زمین و آسماں تیرے خرام سے لرزاں
تُو انقلاب و حوادث کا رازداں بھی ہے
رہِ حیات میں تُو میرِ کارواں بھی ہے

ہے سجدہ ریز ترے آگے سطوتِ دارا
پلی ہیں عظمتیں جس میں وہ تو ہے گہوارہ
نشاط خانۂ دنیا کی زینتیں تجھ سے
جدال و جنگ کے میداں کی جرائتیں تجھ سے

ہیں تیرے خون کو پی کر حکومتیں زندہ!
رُخِ حیاتِ جہاں تیرے خوں سے تابندہ
یہ جھنجھناتے خزانے یہ جگمگاتے محل
یہ کھنکھناتے ہوئے جام و مینا و چھاگل

ہے رات دن کی تری محنتوں کا خوں ان میں
اسی لئے نظر آتا ہے اک فسوں اِن میں

نہیں ہے جام مسرّت تجھے نصیب مگر
تو جی رہا ہے یہاں مفلس و گدا بن کر
تو اصطلاح میں دنیا کی فاقہ کش مزدور
اسی لئے تجھے کہتے ہیں بےکس و مجبور

غریب و مفلس و نادار تجھ کو کہتے ہیں
اسی لئے تجھے مجُرم قرار دیتے ہیں
گھڑی ہیں تیرے لئے ہی سلاسلِ قانوں
یہ محنتوں کا صلہ ہے تری اے حالِ زبوں

تو اپنے آپ سے پھر بھی ہے کسقدر غافل
سمجھ رہا ہے مقدّر کو زیست کا حاصل

بساطِ دہر اُلٹ، آہ و زاریاں کب تک
یہ ذلتیں تری کب تک، یہ خواریاں کب تک
یہ صبح و شام ترے خوں سے ہولیاں کب تک
یہ تیرے واسطے جیلیں، یہ سُولیاں کب تک

اُچھال آہِ شرر بار سے شرار اُچھال
شگاف سینۂ گردوں میں ضربِ آہ سے ڈال
فلک سے نوچ لے تارے یہ مشورہ ہے مرا
لہو نچوڑ لے اپنا زمیں سے چوسا ہوا

حکومتوں کے خداؤ! یہ لوٹ، لوٹ نہیں
یہ حق شناسی ہے اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں

آزادی کے نام

جب سے مُنہ پھیرا ہے ہم سے تو نے ای جانِ بہار
سَر بسر اِک بزمِ ماتم ہے بساطِ روزگار
ایک تنہا میں نہیں ہوں تیرے غم میں بے قرار
ہے یہاں ہر صاحبِ احساس کا سینہ فگار

اب نہ بُلبُل کا ترانہ ہے نہ کوئل کی پُکار!
تیرے غم میں وقف ہو کر رہ گئے لیل و نہار
ہو گئیں تاریک روحیں اور بدن خوار و نزار
پھر کوئی نغمہ سنا جس سے پلٹ آئے بہار

ہے اداسی ہر در و دیوار پر چھائی ہوئی
ذرہ ذرّہ ہو رہا ہے کس مپرسی کا شکار
زندگی اپنی اجیرن ہو گئی تیرے بغیر
ہے ہمیں دشوار مرنا اور جینا ناگوار

جب گرجتے تھے تو دُنیا کو ہلا دیتے تھے ہم
گونجتا تھا ہند سارا جیسے شیروں کی کچھار
رنگ و بو کی بھیک ہم سے مانگتی تھی فصلِ گل
خُلد زاروں میں تھا اپنے خارزاروں کا شمار!

ہم اُلٹتے تھے نقابِ روئے خورشید و قمر
جانبِ طوفاں بڑھا کرتے تھے ہم دیوانہ وار

قیصر و کسریٰ بھی لا سکتے نہ تھے تابِ نظر
خواب ہے اب خوابِ دورِ جنونِ اقتدار
اب نہ جانے تو ہمیں کس دور تک ہو گی نصیب
عالمِ سکرات سے بڑھکر ہے وقتِ انتظار

کاش! میں افسانۂ رنگیں ترا دُہرا سکوں
توڑ دے خاموشیاں ٹوٹے ہوئے دل کا ستار
آ! اسی صورت سے تجدیدِ وفا کرتی ہوئی
منتظر ہیں تیرے قدموں کے فرازِ کوہسار

مژدۂ راحت فزا کی پھر ضرورت ہے ہمیں
گلشنِ ہندوستاں میں آئے پھر خونی بہار
غم نصیبوں، واژگوں بختوں کی لے آ کر خبر
سینۂ مشرق سے پھر ہو اک طلوعِ زرنگار

تُو گر آئے تو سنور جائے ہماری زندگی
انجمن بھر سے اُتر جائے غلامی کا خُمار
ہیں اسیری میں تری شاہنشہی کی عظمتیں
پاسبانی پر تری نازاں ہے رُوحِ شہریار!

"وطن کی پکار!"

ہندوستاں بھی مجھ کو سمجھو
پاکستان بھی مجھ کو سمجھو!
مجھ میں بسنے والی قومو!
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

بھوکو، ننگو، اور محکومو!
ساری دنیا کے مظلومو!
ناداری کے گندے جسمو
محکومی کے رستے زخمو!
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

دیوارِ مذہب کو ڈھا دو
سب فرقوں کو آگ لگا دو
دل سے سب امتیاز مٹا دو
تم ہندو ہو یا مسلم ہو
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

غیروں کے دم بھرتے بھرتے   عمر گذاری ڈرتے ڈرتے
آزادی، آزادی کرتے   صدیاں بیت گئی ہیں تم کو
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

سمجھو گر خود کو ہمت ور   پاس مری عظمت کا ہو گر
خونی پرچم ہاتھ میں لیکر   وقت کی دھارے کا رخ موڑو
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

خونی دن ہوں خونی راتیں   خونی صبحیں خونی شامیں
خونی ہوں جذبوں کی فوجیں   خونی روحِ نَو تن میں ہو
مل کر زندہ رہنا سیکھو

مت چھیڑو شاہانہ قصّے آبا و اجداد کے بھر سے
بڑھنا ہے اب تم کو آگے مستقبل اور حال کو دیکھو
مل کر زندہ رہنا سیکھو

فخر مجھے جب تم پر ہو گا! کوئی نہ ہو گا بھوکا ننگا!
آپ بنو گے اپنے راجا سنتے ہو آشفتہ بختو!
مل کر زندہ رہنا سیکھو!

مجھکو بچاؤ غدّاروں سے
نام کے چھوٹے سرداروں سے
شہرت کے ان بیماروں سے
لاج مری رکھ لو مزدورو!
مل کر زندہ رہنا سیکھو

"درسِ آزادی"

سُن ذرا اے مردِ ہندی لاشعور
بے حمیّت پیکرِ کبر و غُرور!
روز جلسے منعقد کرتا ہے کیا
تیری پسپائی کا ہے یہ راستا
تیرا سازِ زندگی ہے بے نوا
شل ہوئے جاتے ہیں تیرے دست و پا
یہ نہیں ہے زندگی کا اقتضا
کہ رہِ منزل میں تھک کر بیٹھ جا
کوئی کہتا ہے تجھے بہروپیا
اور غدار و منافق قوم کا

ہوا ترا جب شیوۂ مکر و ریا
تیری قسمت میں کہاں جُود و سخا
تخت و تاج ہاتھوں ہی تیرے کیا گیا
چھن گئی تجھ سے متاعِ بے بہا
کیوں نہیں وہ آج تیرا حوصلہ
جس سے قائم تھا غرورِ ایشیا

نوحہ زن اس بات پر ہو، نوحہ زن
تو وطن میں ہے مگر ہے بے وطن
تو غُلامی کے نشہ میں ہے مگن
خونچکاں ہے دیکھ تیرا پیرہن
روز تجھ میں باہمی رہتی ہے جنگ
قہقہہ زن تجھ پہ ہیں اہلِ فرنگ

سرزمین ہند کی تجھ کو قسم
آسماں کی رفعتوں پر رکھ قدم
کر سکے تو کر وہ پیدا اقتدار
روک دے جو گردشِ لیل و نہار
غیر ہے در پہ ترے مصروفِ جنگ
لیکے اُٹھ ہاتھوں میں تو تیغ و تفنگ

ہو کے یوں سینہ سپر گھر سے نکل
لرزہ بر اندام ہو دیوِ اجل
سر پھروں، گمراہ و غداروں کو دَل
جس سے محشر ہو بپا وہ چال چل
اس طرح اہلِ دول کے سر کچل!
ان کے بل جتنے ہیں سب جائیں نکل!

توڑ دے یہ بربط و ناہید و چنگ
اُٹھ سرِ محفل بجا پھر طبلِ جنگ
رزم آرائی کا پیدا کر جنوں
ہر طرف آئے نظر سیلابِ خوں
کانپ اُٹھیں سب زمیں و آسماں
موت بھی خود مانگنے آئے اماں
سُرخ آندھی بن کے چھا اغیار پر
اہلِ عالم کو نچا تلوار پر

تُو جو دے یوں درسِ آزادی ہمیں
ہے ہر اک منظور قربانی ہمیں

ہ ا ، ز : نشہ کو بھی اپنے ہاں جائز سمجھتا ہوں کیونکہ روزانہ کی زبان میں زیادہ تر "نشہ" ہی مستعمل ہے "نشّہ" نہیں۔ ساحلی

"ویران آبادیاں"

انقلاب آیا جہاں میں کارواں در کارواں
ہو گئیں تبدیل ویرانوں میں سب آبادیاں

کوئی تو لہرا رہا ہے پی کے جامِ ارغواں
اور ہے کوئی جہاں میں پیکرِ آہ و فغاں

تیرہ بختی کی ہماری چھائی وہ تاریکیاں
ضو فشانی بھول بیٹھے مہر و ماہ و کہکشاں

خاک کر ڈالیں جلا کر جو متاعِ زندگی
اپنے دامن میں چھپا رکھی ہیں ایسی بجلیاں

دیکھنا تھا یہ نظارہ بھی ہمیں اے بختِ کج
ابنِ آدم خونِ آدم کی بہائے ندیاں

جن کے چہروں سے برستی ہے شرابِ انبساط
تیرہ بختی کی انھیں پر چھائیں گی کل کی آندھیاں
نام کو بھی مجھ کو حاصل اب نہیں ضبط و سکوں
بے محابا بڑھتی جاتی ہیں مری بے تابیاں
ہے جہانِ آب و گل میں آگ سی دہکی ہوئی
اڑ کے چھایا ہی فضا پر ہر طرف حسبکا دھواں
رہ گئی بے نور ہو کر آج قندیلِ حیا
الحفیظ والحذر یہ حُسن کی عُریانیاں
عالمِ شور و شغب میں چین آتا ہے کسے
اُڑ رہی ہیں دامنِ صبر و سکوں کی دھجّیاں

چھن گئی فانوسِ اُلفت سے محبّت کی ضیا
شہریاری کر رہی ہیں ہر طرف تاریکیاں

آگیا وہ دَور جس کا تھا جہاں کو انتظار!
ہو رہی ہیں ہر طرف دن رات آتش باریاں
ایک طوفانِ شرر ہے اک ہجومِ رستخیز
سینۂ ہستی پہ ہے اک آگ کا دریا رواں!
زندگی کے زاویے کچھ اس طرح بدلے گئے
ہر قدم پر لغزشیں، ہر گام پر ناکامیاں
انقلابِ نو ہوا پیدا نظامِ دھر میں
خون سے انساں کی کھیلی جا رہی ہیں ہولیاں
لکھی جائیں گی نمایاں طور پر تاریخ میں
عہدِ حاضر کے کرم فرماؤں کی چنگیزیاں!

ہو نہیں سکتے مظالم ان کے کم اہلِ ساحلی
کھینچ لی جائے نہ جب تک زر پرستوں کی زباں

"انقلاب"

ابھی وہ دیکھنا ہے جو نہ دیکھا تھا کبھی اور
فلک سے دوزخیں برسیں گی دنیا پر ابھی اور

ابھی سو رنگ بدلے گی فغاں مزدور کی اور
ابھی بھوکی زمیں قصرِ امارت کھائے گی اور

نظر دم توڑتا آئے گا جب نظمِ شہی اور
جہنّم زار یہ دُنیا بنائی جائے گی اور

بڑھے گی جب ہوس ناکی کی حد سے تشنگی اور
بہ اندازِ دگر کی جائے گی بادہ کشی اور
نسیمِ وجد آور خون برساتی چلے گی
اُٹھے گی تودۂ گُل سے دہکتی آگ سی اور
مشیّت کانپ اُٹّھیگی ملائک چیخ اُٹھیں گے
جہاں میں انقلاب "ایسا بھی آنا ہے ابھی اور
ٹھہر! او چشمِ نظّارہ!! ابھی دیکھا ہی کیا ہے
تہ و بالا زمین و آسماں ہونگے ابھی اور!

مزاجِ رحمتِ یزداں میں آجائیگی سختی!
عطا ہوگا غمِ بیچارگی اے ساحلی ـــ اور

"آج کا انسان!"

تری سرشت ابھی ہے اسیر جہل و عناد
ابھی تو بندۂ حرص و ہوس ہے کینہ زاد

ابھی کہاں ہے تجھے بُغض و عصبیت سے گریز
حقیقتاً ہے تجھے امن و عافیت سے گریز

ابھی ضوابط و قانُون کا غُلام ہے تو
زفرق تا بقدم اک جُنونِ خام ہے تو

نہ کھل سکے ابھی تجھ پر حیات کے اسرار
ہے کارفرما بلندیوں میں پستیوں کا وقار

ہیں تیرے مذہب و اخلاق غرقِ جور و ستم
نہیں ہے تیری شریعت میں آج رحم و کرم

ترے تمدّن و تہذیب جگمگاتے فریب
ہے تیری زیست ابھی تشنۂ سکون و شکیب

ہے تیرے زہد و تقدّس میں رنگِ بدمستی
ہے بندگی ابھی تیری مذاقِ بوالہوسی

اگرچہ ہوتا نہ تو کم نگاہیوں کا شکار
دلِ فرشتہ و یزداں کا ہوتا تو معمار

ہوئی ہے گردشِ دوراں سے زیست کی تعمیر
ہیں سیاہ بختیاں ناداں، عناصرِ تقدیر

ابھی ہے دامنِ ادراک چاک چاک ترا
ابھی ہے عرصۂ ہستی بھی خوفناک ترا

ہے تجھ سے دُور ابھی تیری زیست کا مقصود
ہیں فلسفہ و سیاست ابھی ترے معبود

تُو بن تو سکتا ہے مانا مشیّتوں کا خُدا
مگر تو عمر بھر انسان بن نہیں سکتا

"زنِ مشرق!"

اِذنِ شوہر کو سمجھتی ہی رہی ایمان و دیں
"اُف" کبھی تیری زباں پر آج تک آئی نہیں
تو روا، اور، ناروا، سب خدمتیں کرتی رہی
تو خوشی سے جا و بیجا سختیاں سہتی رہی
تجھ پہ ایسے ظلم بھی توڑے گئے ہیں بے گماں
شرم آتی ہے بیاں کرتے ہوئے جن کو یہاں

کی گئی برباد تیری نوجوانی کی بہار!
سونے سونے سے رہے اکثر ترے لیل و نہار

پھر بھی جب دیکھا کبھی شوہر کو تو نے سوگوار
جان و دل اسوقت کرتی ہے تو شوہر پر نثار

یہ تری معصومیت اور سادگی اے نیک نام
آج تک خود کو سمجھتی ہے تو شوہر کا غلام

اے زنِ مشرق بہت ہیں یوں تو تیری خوبیاں
فخر کے قابل تری طاعت پسندی ہے یہاں

پھر بھی سامانِ تعیش ہی تجھے سمجھا گیا
پھر بھی تجھکو معصیت خانوں میں بٹھلایا گیا!

گرم کیجاتی ہے تجھ سے محفلِ رقص و سرود
بوالہوس کی زینت آغوش ہے تیرا وجود

کانپتی ہے اس لئے لیتے ہوئے تو اپنا نام
کی گئی صدیوں تجھے تلقینِ لونڈی و غلام

اب وہاں ہے آسمانوں میں تجھے تیرا مقام
لازمی ہو گا جہاں پر تیرا سب کو احترام

ہے ترا بامِ ثریا سے بھی کچھ اونچا مقام
تیرا ہی مرہونِ منت ہے دو عالم کا نظام

شادماں ہو آگیا ہے تیرا وقتِ انتقام
لمحہ بھر جینا گوارا کر نہ اب تو زیرِ دام

جوہرِ زعمِ جہاں بانی زمانے کو دکھا
تیغِ براں ہاتھ میں لے، انقلابی گیت گا

چھین لے اپنے حقوقِ زندگانی چھین لے
عشرتوں کے جام و مینا چھین لی بخشی ہوئے

تاکہ دنیا میں تجھے کوئی نہ پھر لونڈی کہے
اور تیری عظمت زمانے کی نگاہوں میں رہے

ہونیوالا ہے فنا مد قوق و پارینہ نظام
تیرے ہی ہاتھوں میں پھر ہوگی حکومت کی زمام

ہو رہا ہے اک جہانِ نو کا اب یاں اہتمام
نام کو ہوگا نہ جسمیں امتیازِ خاص و عام

جشنِ آزادی!

اور؟

کسی کی موت!

اک طرف ہے سامنے میرے تمہاری موت بھی
اک طرف ہے جھوٹی آزادی کا جشنِ بے بسی

بہہ رہا ہے آج کی شب آسماں سے سیلِ نور
مسکراتا ہے در و دیوار پر کیف و سُرور
اور دن کے دوش پر رنگیں ردائیں ہیں ہزار
جس کے آگے ہیچ آتا ہے نظر رنگِ بہار
گا رہا ہے ذرہ ذرّہ آج خوشیوں کی ملہار
خارزاروں کی لبوں پر مسکراتی ہے بہار

آج ہر لمحہ حیاتِ ہند کا ہے شادماں
اور میں بد قسمت تمہاری قبر پہ ہوں نوحہ خواں

پھولنے پھلنے نہ پایا تھا ابھی نخلِ امیدؔ
چلدیئے تم میرے دل کو دیکے صدماتِ شدید

سچ بتاؤ تم نے کیوں مرنا گوارا کر لیا
اسلئے کہ میں تمہارے پیار کے قابل نہ تھا

پیار کرنے بھی نہ پایا تھا تمھیں جی بھر کے میں!
تم سے کچھ نسبت تھی جنکو مٹ گئیں وہ حسرتیں

کر سکا پوری تمہاری میں نہ کوئی آرزو!
تم نے کی مجھ پر تصدق اک بہشتِ رنگ و بو

تم ہی بتلاؤ کہ تم بن اب میں جی کر کیا کروں
تلخیاں جامِ حوادث کی میں پی کر کیا کروں

گلشنِ عالم کی مرجھائی ہوئی ہے ہر کلی!
آج تم بن آفتابِ بخت پر ہے تیرگی!

جن نگاہوں نے مجھے بخشا تھا کیفِ زندگی
اب انہیں سے پھونک دو بزمِ امید و سرخوشی

جس تبسّم نے مقدّر کو مرے بخشی ضیا
حکم دو اس کو مری قسمت کو کر ڈالے فنا

اُن کے بدلے کیا دیا میں نے تمھیں دردِ فراق
زندگی گذری ہے اکثر میرے باعث تم پہ شاق

خیر جو تقدیر میں لکھا تھا وہ تو ہو چکا—!
لاشِ امیّد و تمنّا پر میں اپنی رو چکا!

ہے مگر افسوس تجھ پر بے حِس و بے بس خدا
اتنی بربادیٔ دل پر دل ترا ہل نہ سکا!

"شر پسند!"

کر لیا میدانِ آزادی بھی یوں تو، تو نے سر
کوششِ پیہم کا تیری مل گیا تجھ کو ثمر

کر دیا عہدِ غلامی کا بھی تو نے منہ سیاہ
دل سے اپنے عمر بھر کو دھو لئے داغِ گناہ

لیکن او بزدل کمینے، بربریّت کے پسر!
اپنے ہاتھوں اپنی بربادی بھی کچھ محسوس کر

کیا یہی تھی کوششِ آزادیٔ ہندوستاں
کیا اسی دن کیلئے تھیں سب تری سرگرمیاں
عصمتیں لوٹیگا اپنے ہاتھ اپنی ماؤں کی
عصمتیں لوٹیگا تو بہنوں کی اور بیواؤں کی

بھیڑیا بن کر دلِ انسانیت کا خوں پیئے
تف ہے تجھ پر اور اُس پر جو تری طرح جیئے
تیرا شیوہ لوٹ ہے، غارت گری ہے قتلِ عام
آج تُو آزاد ہو کر ہے غلاموں کا غلام!

ظُلم اپنوں پر کبھی کرتا نہیں ایسے کوئی
تو وہی ہے اور خُو تیری غلامانہ وہی

ڈر ہے تیرے یوں بہک جانے سے صدیوں کی غلام
چھن نہ جائے پھر ترے ہاتھوں سے آزادی کا جام

ختم شد

زیرِ طبع کتب

"اُجڑے بسیرے"

ساحلی احسانی کی غزلوں، نظموں کا دوسرا شاہکار مجموعہ

جو "اُجالے اندھیرے" سے زیادہ بلند پایہ ہوگا

"اچھوتے گیت"

ناجی امرتسری کے دل کش گیت

"ویران آبادیاں"

ناجی امرتسری کے بہترین افسانے

پبلشرز

"ایوانِ ادب" ۱۳ عبداللہ بلڈنگ ۲ (پریل) بمبئی